جلد ۱۰۱ جون ۱۹۸۴ء عدد ۱۰

ماہنامہ

ترجمان القرآن

موسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

اِدارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ

کا دفتر

اچھرہ سے تبدیل ہو گیا ہے۔

کرم فرماؤں سے گذارش ہے کہ دفتر سے ہر قسم کے رابطہ اور خط و کتابت کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر رجوع فرمائیں۔

اِدارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ

گنج بخش روڈ، دربار مارکیٹ نزد داتا دربار لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۱ | جون ۱۹۸۴ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ | عدد ۴

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵- اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون نمبر ——————— ۴۱۰۳۱۶

زرِ سالانہ تیس روپے - فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایپ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

قصاص و دیت کمیٹی منصورہ کی رپورٹ

اسلام کے قانونِ قصاص و دیت کے سلسلے میں جو بحث اِن دنوں چھڑی ہوئی ہے، اوّل اوّل تو اس پر ایک گروہ (خصوصاً ماڈرن خواتین) بغیر علم کے طبع آزمائی کر رہا ہے، اور پھر جن لکھے پڑھے حضرات نے اس میں حصّہ لیا ہے ان سے توقع یہ تھی کہ وہ مسئلے کی چھان بین صحیح اسلامی نہج پر کریں گے، مگر ایسی باتیں سامنے آئی ہیں جو باعثِ اضطراب ہیں۔

اندریں احوال قائدِ تحریک اسلامی میاں طفیل محمد صاحب نے منصورہ میں علماء و مفکرین کی ایک مختصر سی کمیٹی مقرر کی کہ وہ مسئلۂ قصاص و دیت کی پیدا شدہ بحث کے متعلق صحیح نقطۂ نظر تفصیل سے مرتب کرے۔

اس کمیٹی نے ۲۰ رمئی کے اجلاس میں بحث و تمحیص کے بعد پورے مسئلے کو جس شکل میں مرتب کیا ہے۔ وہ ترجمان القرآن کے موجودہ شمارے میں پیش کیا جا رہا ہے اور یہ پورا شمارہ اس کمیٹی کی رپورٹ اور مباحث پر مشتمل ہے۔

معمول کے مطابق جون کا شمارہ تیار کیا جا چکا تھا کہ فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے علماءؐ کی کمیٹی برائے قصاص و دیت کا تیار شدہ مواد شائع کیا جائے اور ترتیب شدہ شمارہ بعد میں چھپے۔ قارئین سے گذارش ہے کہ وہ پروگرام کے اس ردو بدل اور اور نئی کتابت کی وجہ سے تھوڑی سی تاخیر کو معاف فرمائیں۔

(ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اشارات

اسلام ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو اس سے آزاد زندگی گذارنا چاہیں۔ خدا کے احکام کے سامنے عاجزی سے سر جھکا دینے کے بجائے اپنی خواہشات، اپنے پسندیدہ نظریات اور غیر مسلم اقوام اور ملحدانہ تہذیبوں سے اخذ کردہ تصورات کو اس سے برآمد کرنا چاہیں یا اس میں ٹھونسنا چاہیں۔ وہ کہ پہلے ایک نظریہ یا تصور یا خواہش کو اپنے لیے پسند کرلیں اور پھر یہ چاہیں کہ اسلام کا ٹھپہ اس پر لگا دیا جائے۔ وہ کہ جن کی مجموعی زندگیاں اسلامی اوامر و منہیات سے آزاد ہوں اور بے دے کے اپنے مطلب کے کسی ایک مسئلے اور نکتے کو اسلامی قرار دینے پر بضد ہوں۔

اسلام کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ اس کے معنی سرِ تسلیم خم کر دینے کے ہیں اور اصطلاحاً مراد اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے رسولؐ کی پیش کردہ شریعت کے سامنے طوع و رغبت سے تذلل و عاجزی کے ساتھ جھک جانے کے ہیں۔ نہ کوئی گلہ، نہ شکوہ، نہ غوغا، نہ مطالبے، نہ جدال، نہ کشمکش۔ بندوں کا حق صرف اتنا ہے کہ دین کے تقاضوں کو سمجھنے اور جاننے کی کوشش کریں۔ اور پھر اگر کوئی ایسا فیصلہ سامنے آئے جو باعثِ تکلیف و نقصان ہو، یا طبیعت کی ساخت کے مطابق نہ ہو، یا آباء کی روش کے خلاف ہو، یا احوالِ زمانہ کے دباؤ کی زد میں آ جاتا ہو تو ان حالات کے علی الرغم اس کو اختیار کریں۔ ہوسکتا ہے کہ تقاضائے دین و شریعت کے تحت جان تک کی قربانی دینی پڑے یا مال و اولاد اور کھیتوں اور باغوں کے پھلوں کا نقصان اور تجارت کا بحران آزمائش بن جائے یا آج کی سوسائٹی میں اونچا سٹیٹس نہ مل سکے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم،

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، خلفائے راشدینؓ اور ائمہ محدثین واکابر فقہا اور تمام سلفِ صالحین اور بعد کے ادوار کے مخلصین و صادقین نے بھی مثال قائم کی ہے۔

مسلکِ اسلام کا مفہوم نہ صرف بندگانِ خدا نے صحیح طور پر سمجھا، بلکہ ساری کائنات اسی روش پر چل رہی ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات:

— اللہ نے کہا زمین و آسمان سے کہ وجود میں آجاؤ، خواہ تم چاہو یا نہ چاہو۔ دونوں نے کہا کہ ہم آگئے فرماں برداروں کی طرح! (حٰم السجدہ—۱۱)

— اور زمین و آسمان میں جو کوئی بھی ہے وہ اللہ کے سامنے طوعاً یا کرہاً سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہے۔ (آل عمران—۸۳)

— اور زمین و آسمان میں جو کوئی بھی ہے وہ اللہ کے سامنے طوعاً یا کرہاً سجدہ ریز ہے[۱] (الرعد۔ ۱۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال:

— اور جب اُس کے رب نے اس سے کہا کہ جھک جاؤ تو اُس نے کہا کہ میں نے رب العٰلمین کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ (البقرہ۔ ۱۳۱)

— اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العٰلمین کے سامنے سرِتسلیم خم کر دوں۔ (المومن—۶۶)

— پس تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ سو اُسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو۔ (۔۳۴)

— اور کس کا دین اس سے بہتر ہے۔ جو اپنے منہ کے بل اللہ کے سامنے جھک گیا اور وہ (عملی زندگی میں) احسان کیش ہے۔ (النساء۔ ۱۲۵)

---

[۱] سرکش انسانوں اور جنوں کے بھی اجسام و اعمال تمام تر اللہ کے قوانین کے اتنے تابع ہیں کہ باغیوں اور کافروں کو بھی زندگی کے اکثر اُمور میں اُس کے اقتدار کے سامنے سجدہ ریز رہنا پڑتا مگر یہ مجبوراً اطاعت کرہاً کی تعریف میں آتی ہے جس پر جزا نہیں، لیکن مختصر سے دائرۂ اختیار میں خدا نے جو آزادی دی ہے اس میں اکثر لوگ بہ طوع و رغبت اس کے سامنے سر نہیں جھکاتے۔ (ن۔ص)

—— کیوں نہیں، جس نے اپنے چہرے (اپنی ہستی) کو اللہ کے سامنے جھکا دیا اور (عملاً) وہ احسان کیش ہے تو اُس کے اللہ کے پاس اُس کا اجر (محفوظ) ہے۔ (البقرہ۔۱۱۲)

اسی مفہوم کی بنا پر اسلام کا اصطلاحی مفہوم طے پایا۔ اسی معنی میں فرمایا کہ:

—— اے ایمان لانے والو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ (یعنی زندگی کا کوئی پہلو خدا کے سامنے جھکا دینے سے مستثنیٰ نہ رکھو)۔ (البقرہ ــ ۲۰۸)

—— میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا ہے۔ (المائدہ۔۳)

—— دین (مسلکِ زندگی)، تو اللہ کی نگاہ میں بس اسلام ہی ہے۔ (آل عمران ــ ۱۹)

—— اور جو کوئی اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو وہ (اللہ کے ہاں) قبول نہیں کیا جائے گا۔ (آل عمران ــ ۸۵)

اس سلسلے میں آیات بے شمار ہیں اور احادیث مزید برآں، مگر ایک مطلب اتنی ہی آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام انسانوں کا من گھڑت دین نہیں، خود ایجاد کردہ نظامِ حیات نہیں، دانشوروں کا تخلیق کردہ قانون و مسلک نہیں کہ اُس کے متعلق نوچ کھسوٹ کا سلسلہ جاری رہے، ایک اُدھر سے پکڑ کے کھینچے، دوسرا اِدھر سے۔ کوئی ایک طرح کی بات کو اسلامی منوانا چاہے اور کوئی دوسری طرح کے نظریے کو اس میں گھسیٹنا چاہے۔ ایک فریق اپنی خواہشات اور دوسرا فریق اپنی تمنائیں پوری کرنے کے لیے مگبٹ قسم کی دلیل بازی کریں۔ کوئی جلوس ایک نقطۂ نظر کو لے کر نعرہ بازی کرتا مارچ کرے اور مظاہرین کا کوئی جتھا دوسری طرح کے کتبے اُٹھائے سرِعام آ جائے۔

اسلام کے بیان کردہ مفہوم سے ظاہر ہے کہ یہ دین ادب کا تقاضا کرتا ہے۔ آیات و نصوص کا احترام کیا جائے گا۔ اور مسائل کی سوچ بچار نہایت محتاط اور رعایتاً نہ یا خدا ترسانہ طریق سے کی جائے گی۔ ورنہ اگر اسلام کو بے باک بحثوں اور بے نہایت مطالبوں کا تختۂ مشق بنا لیا جائے تو پھر سرے سے وہ سپرٹ ہی کہاں رہی جس کے ہونے سے لفظ اسلام میں صحیح معنی باقی رہتے ہیں۔

دین و شریعت کے ادب کے متعلق ذیل کی تصریحات کافی ہوں گی :۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ کے سامنے پیش قدمی نہ کرو۔ (الحجرات۔۱) یعنی آگے بڑھنا اور بڑھ بڑھ کر باتیں کرنا اور گستاخانہ انداز سے نکتے اٹھانا خدا و رسولؐ اور ان کے دین و شریعت کے معاملے میں جائز نہیں ہے۔

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ شور مچا کر باتیں کرو جیسے کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ (ان حرکات کی وجہ سے) تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں اس (حادثے) کی خبر بھی نہ ہو۔ (الحجرات ۔ ۲)

جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لحاظ سے جانچ پرکھ لیا ہے۔ (الحجرات ۔ ۳)

خدا کے دین کا ادب کرنے والوں کا معاملہ قرآن کے ساتھ کیسا ہوتا ہے۔

جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا تھا ان کو جب یہ قرآن سنایا جاتا ہے تو وہ منہ کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں: پاک ہے ہمارا رب، اس کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا اور وہ منہ کے بل روتے ہوئے گر جاتے ہیں اور اسے سن کر ان کا خشوع اور بڑھ جاتا ہے۔ (مقام سجدہ) (الاسراء ۱۰۷ ۔ ۱۰۹)

اسے (قرآن کو) سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں [1] (الزمر ۔ ۲۳)

اور اے نبیؐ! بشارت دے دے عاجزانہ روش اختیار کرنے والوں کو جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ (الحج ۔ ۳۴ ۔ ۳۵)

اور جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اسی کے لئے بہتر ہے۔ (الحج ۔ ۳۰)

---

[1] کیا تحریک مساوات و ترقی کی علمبردار خواتین اور ان کے حامی مردوں کو بھی کبھی ایسا تجربہ پیش آیا ہے؟ (ن۔ م)

اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔
(الحج - ۳۲)

یہ زمانہ جب کہ دو تہذیبیں ٹکرا رہی ہیں، حد درجہ نازک دور ہے ایک طرف وہ تہذیب ہے جس کی جڑیں ہمارے سابق آقا اپنے امپریلزم کے دور میں ہمارے دلوں کے اندر اتار گئے ہیں اور پھر انہوں نے ایک طرف ڈپلومیٹک چالبازیوں اور قرضوں اور ایڈ کے ذریعے ہم پر اپنی غیر محسوس غلامی بدلی ہوئی شکل میں مسلط کی، دوسری طرف ہمارے اوپر حکمرانی کرنے کے لئے اپنے ڈھب کا ایک ایسا زوردار طبقہ ذہنی صلاحیتوں اور عہدوں سے آراستہ کر کے چھوڑا کہ اس سے مسلمان اقوام کا جان چھڑانا مشکل ہوگیا ہے۔ دوسری طرف عالمی پراپیگنڈہ، ذرائع ابلاغ، تعلیمی نظام اور نصابی کتب، علمی لٹریچر، مشرقین کی تحقیقاتوں اور ثقافتی انداز و اطوار، وفود کی آمد اور ماہرین کے تقرر سے ہمیں ذہنی طور پر اتنا زیر کیا ہے کہ بہت عرصے سے دین میں ترمیم و تنسیخ کی کوششیں جاری ہیں اور اب یہ تباہ کن سیلاب ہمارے حرم خانوں کی طرف ٹوٹ پڑا ہے اور عورت کو گھر سے نکال کر پردے سے آزاد کر کے، مساوات و آزادی کی مغربی تحریکوں سے مسحور کر کے ہماری معاشرت کے مرکزوں کو تباہ کیا جا رہا ہے جہاں ہماری بنیادی قدریں کچھ نہ کچھ محفوظ تھیں۔ وہی عورت جو کل تک اسلامی اقدار کی رکھوالی تھی وہ اب خود طرح طرح کے مطالبے لے کر شریعت اسلام کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہے تاکہ دشمنِ اسلام اہلِ مغرب کی تمناؤں کے مطابق یا تو سرے سے غلبۂ اسلام کا خواب جامۂ عمل نہ پہن سکے یا شریعت کا ایسا ستیاناس کیا جائے کہ آزادی ہی آزادی باقی رہ جائے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ غیروں کے آلۂ کار بننے والے طبقے خود اس حقیقت سے بھی تو واقف نہیں ہیں کہ وہ کٹھ پتلیاں ہیں بلکہ انہیں زعم ہے کہ وہ جدت اور ترقی کے نقیب ہیں۔

اب ان کا اصل تقاضا یہ ہے کہ اسلام جو انقیاد (اللہ) کا دین ہے اس میں اجتہاد کے نام پر کچھ ایسی ایجادیں کی جائیں کہ ماڈرن دین کے پیڑ پر مغربیت کے برگ و بار آنے لگیں۔

یہ صورتِ حالات کہ دین کے مسخ و تحریف کے تقاضے اٹھنے لگیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آئی تھی۔ مخالف لوگ کہتے تھے کہ یہ قرآن اور دین تو بہت سخت ہے کوئی اور قرآن لائیے یا اس میں کچھ ہمارے رجحانات اور وقت اور ماحول کے تحت تبدیلی کر لیجئے۔ اس پہ خدا تعالیٰ نے یہ جواب دلوایا:۔

—— اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو جو لوگ (آخرت میں) ہم سے ملاقات کا یقین نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس قرآن کے بجائے کوئی اور قرآن لے آ، یا (ذرا اجتہاد کر کے) اسے تھوڑا بہت بدل دو (تاکہ ہمارا بھی گزارا ہو سکے)، ان سے کہہ دیجئے کہ میرا یہ مقام نہیں ہے کہ میں اسے اپنی مرضی سے بدل دوں، میں تو صرف اس چیز کا پیروکار ہوں جو مجھ پہ وحی کی جاتی ہے (اس معاملے میں) اگر میں کوئی نافرمانی کروں تو میں یومِ عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (یونس - ۱۵)

—— اور آپؐ ان کے درمیان اس (قانون) کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی (یا لحاظ) نہ کیجئے اور ہوش رہے کہ یہ لوگ خدا کے نازل کردہ (قانون) کے کسی حصے کے متعلق آپؐ کو فتنہ میں ڈال کر ذرہ برابر منحرف نہ کر پائیں پھر اگر وہ روگردانی کریں تو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے یہی چاہتا ہے کہ انہیں ان کے بعض جرائم کے نتائج سے دوچار کرے اور یقیناً لوگوں میں سے بہت زیادہ تعداد فاسقین کی ہے۔ (المائدہ - ۴۹)

—— نہیں نہیں! اے محمدؐ آپ کے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات (اور اختلافی مسائل میں) یہ آپؐ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں لے (النساء - ۶۵)

—— اے پیغمبرؐ! آپ کے ملئے باعثِ رنج نہ ہوں وہ لوگ جو کفر کی راہ میں بڑی تیز گامی

لہ - یہ آیت مسلمانوں سے متعلق ہے اور ان سے شرطِ ایمان کے طور پہ چاہا گیا ہے کہ نہ صرف حضورؐ کو حکم تسلیم کر لیں بلکہ فیصلوں کو بے چون و چرا قبول کر لیں اور ان کے دلوں کے اندر بھی کوئی تنگی یا بے اطمینانی باقی نہ ہو۔ یہ ہے خدا اور رسولؐ کو شارع ماننے کا انداز، کجا یہ کہ احادیث تو الگ رہیں قرآن کی آیات سے کے خلاف ہنگامہ آرائی کی جاتی ہے۔ (ن - ص)

دکھا رہے ہیں، خواہ وہ ان میں سے ہوں کہ جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، مگر دل ان کے ایمان نہیں لائے، ان میں سے جو یہودی ہیں .... وہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں ایسا ایسا حکم دیا جائے تو مانو، نہیں تو نہ مانو .... ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں سخت سزا۔ (المائدہ - ۴۱)

—— اگر یہ آپ کو وحی کردہ تعلیم (دفانون) کے بارے میں فتنہ میں مبتلا کر سکیں کہ آپ ہمارے ذمے اس (نازل کردہ وحی) کے خلاف افترا باندھیں تو وہ یقیناً تم کو اپنا دوست بنالیں گے"۔ (الاسراء - ۷۳)

—— اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ اُن کی طرف ذرا سا جھک جاتے۔ (الاسراء - ۷۴) اس صورت میں ہم آپ کو زندگی میں موت کے بعد کا عذاب چکھاتے، اور آپ اپنے حق میں ہمارے سامنے کسی کو مددگار نہ پاتے"۔ (الاسراء - ۷۴)

—— کیا یہ لوگ دورِ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں تو (کہہ دیجیے کہ) یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بڑھ کر اچھا فیصلہ دینے والا کون ہے۔ (المائدہ - ۵۰)

تہذیبوں کی آمیزش کو سامنے رکھتے ہوئے کئی مقامات پر اللہ نے مسلمانوں کو انتباہ کیا ہے اور یہود سے گہرا رابطہ رکھنے کو نہ صرف جنگی اور سیاسی حالات کے لحاظ سے روکا گیا، بلکہ فکری اور ثقافتی اثرات سے بچنے کے لیے بھی۔ ملاحظہ ہو:

—— اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو ہمدم و دمساز نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ہم دم ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کے ساتھ قلبی رابطہ رکھے تو پھر وہ انہی میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظلم کیشوں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ - ۵۱)

دوسرے نظریوں اور دوسری تہذیبوں، دوسری تحریکوں اور دوسری معاشرتوں میں جذب ہوجانے پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سخت انتباہ کیا ہے، بلکہ اُن کی لازمی شان ہی یہ ہے کہ وہ اپنے مخصوص عقاید و اقدار اور قوانین و اطوار کی گواہی دے کر اپنے جداگانہ وجود کا مظاہرہ کریں۔ باہر سے لا لا کر طور طریقے اسلام میں لا ڈالنے کے خلاف حکم ہے کہ ولا تلبسوا

الحق بالباطل - اغیار کے اطوار سے التباس پیدا نہ کرو۔

لوگوں کی ایک خاص قسم کا تذکرہ قرآن نے یوں کیا ہے:

——— اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ اگر فائدہ ہو تو مطمئن ہو گیا اور جو کوئی مصیبت آگئی تو اُلٹا پھر گیا۔ اس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی۔ (الحج - ۱۱)

یہ کردار آجکل بہت عام ہے کہ دین کے جو تقاضے پسندیدہ، آرام دہ اور فائدہ مند معلوم ہوتے اُن پر عمل کر لیا اور جن باتوں کو باعث مشکل پایا اور اُن سے رُوگردانی کر لی، بلکہ اب تیسری صورت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ اپنی مرضی کا حکم نہ ملے تو پھر طبقاتی اور سیاسی دباؤ ڈالا جائے کہ حکم ایسا اور ایسا ہونا چاہیے۔

اسی کردار کی وہ انتہائی شکل ہے جو منافقین میں پائی جاتی تھی کہ وہ تحریک اسلامی سے تعلق بنائے رکھتے تھے، مگر اس تحریک کی قرآن نے تیز بارش سے مثال دی ہے کہ جس میں تاریکیاں بھی ہیں (یعنی مشکلات) اور بجلی کی چمک اور کڑک بھی ہے (یعنی جہاد کی دعوت بھی) ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب بجلی چمکتی ہے تو وہ ایسا محسوس کرتے ہیں کہ وہ ان کی قوتِ بصارت کو اچک لے گی، اور کڑکا ہوتا ہے تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اُن کے عملی اقدام کا حال یہ بتایا گیا ہے کہ:۔

——— جب ذرا کچھ روشنی انہیں محسوس ہوتی ہے تو اُس میں کچھ دُور چل لیتے ہیں اور جب اُن پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (البقرہ — ۹)

کچھ ایسا ہی حال ہمارے دَور کے مجتہدین کا ——— مردوں اور عورتوں کا ——— ہے کہ آسانی ملے تو دو قدم اسلام کی راہ پر بھی چل لیے اور مشکل پیش آئی یا کوئی بات ناپسند ہوئی تو ٹھٹک کر رہ گئے۔ یعنی کڑوا کڑوا تھو، میٹھا میٹھا ہپ۔

اس تفصیل میں مزید آگے جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ دو آیات بطور آئینہ ہم میں سے

ہر فرد کے لیے کافی ہیں۔

اب تک بات قرآن کی ہوئی، اور اسی قرآن نے کہا ہے کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء ۔ ۸۰)۔ پھر حضورؐ کو تعلیم آیات کے علاوہ، تعلیم حکمت قرآن، تبیین قرآن اور تعلیم دین کا عملی نمونہ پیش کرنے کے لیے بھی مامور کیا گیا۔

پس حدیث (سنت) بھی لازمۂ دین ہو گئی۔ قرآن میں اس کے دلائل بے شمار ہیں اور صحابہؓ کی سوسائٹی، خصوصاً خلفائے راشدین اور بعد کے جمیع علمائے صالحین کا عملی رویہ یہی رہا کہ انہوں نے قرآن اور احادیث صحیحہ کو نص مانا۔ ان دلائل کو دہرانے کی اس وقت شاید ضرورت نہیں۔ اگر کوئی صاحب اس بارے میں الجھن میں ہوں تو وہ مشہور کتاب منصب رسالتؐ (از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ) ملاحظہ فرمالیں۔

علاوہ ازیں قرآن میں بھی اور احادیث میں بھی تفقہ فی الدین کی ایک اصطلاح استعمال ہوئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی نصوص کے حدود میں غور و خوض کر کے مزید نتائج مستنبط کرے۔ حضورؐ نے محض قاریوں کے مقابلے میں اہل تفقہ کو ترجیح دی ہے۔ اہل تفقہ کی شان ایک تو اس آیت میں بیان ہوئی ہے :۔

اور ان تک امن یا خوف کے متعلق کوئی اطلاع آتی ہے تو وہ اسے اِدھر اُدھر پھیلاتے ہیں اور اگر وہ رسول اللہ اور اپنے اہل امر کے سامنے پہنچا دیتے تو وہ لوگ اس میں سے (حقائق کا) استنباط کر لیتے۔ (النساء ۸۳)

یعنی جنگ و صلح یا اجتماعی اہمیت کے دوسرے جو بھی معاملات اور مسائل پیدا ہوں ان کو یونہی پھیلا کر ان پر بحثا بحثی شروع نہیں کر دینی چاہیئے بلکہ (رسول اللہ کے بعد) انہیں ایسے اولی الامر کے سامنے لے جانا چاہیئے جو واقعات و احوال میں سے امور ضروریہ اور حقائق قطعیہ کا استنباط کر سکیں۔ شرعی استنباط کی ذمہ داری ہر کہ و مہ کا کھیل نہیں ہو سکتی۔

اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتے اور

سب اہلِ علم جو راستی اور انصاف پر قائم ہیں اس پر گواہ ہیں کہ اس زبردست حکیم کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ (آل عمران - ۱۸)

یہاں "اولوا العلم قائماً بالقسط" کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ بڑے اہم ہیں یعنی ایسے پابند انصاف، قائم بہ عدل اور بے تعصب، اہلِ علم کی گواہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی الٰہیت کی صداقت کے لئے خود شمار کیا ہے۔

راسخون فی العلم کا استعمال۔ (النساء ۱۶۲)

پس دین میں مقامِ اعتبار اگر حاصل ہے تو ایسے اہلِ علم کو ہے جو "قائماً بالقسط" کی تعریف پر پورے اترے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اپنی خواہشوں اور احکامِ حق میں ہی تمیز نہ کر سکیں اور جو ایک حملہ آور تہذیب کے رجحانات کی کجی کو پہچان نہ سکیں، وہ اگر کسی معاملے میں دعویٰ پیش کریں گے یا گواہی دیں گے تو اس کا کوئی وزن نہیں ہو گا

ہر علم کی طرح اور ہر قانون کی طرح اسلامی شریعت کے تفصیلی احکام اخذ کرنے اور مختلف نو پیش آمدہ معاملات میں اجتہاد کرنے کے لئے بعض خاص صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے حضرت معاذ بن جبل والی مشہور عام حدیثِ فقہ و اجتہاد کا ذکر کرنے والے اصحاب کو یہ بھی شاید معلوم ہو گا کہ خود قرآن کا جاننا کارے دارد ہے۔ لغت اور صرف و نحو کی مزدوری بات تو رہی الگ، ناسخ منسوخ کا علم، خاص کو عام کرنے اور عام کو خاص کرنے والی آیات کا علم، شانِ نزول اگر واضح ہو تو اس کے ذریعے معانی کے تعین کی روشن صورتوں کا علم، عبارۃ النص سے کچھ احکام نکلتے ہیں، کچھ دلالۃ النص سے نکلتے ہیں، کچھ اشارۃ النص سے نکلتے ہیں ان اقسامِ احکام کا علم سورتوں اور آیتوں کے زمانہ نزول اور اس وقت کے تاریخی احوال کا علم یہ سارا کچھ جمع کرنے کے بعد حضرت معاذ بن جبل کے راستے پر چلنا ممکن ہے۔

علاوہ ازیں احادیث کا وہ علم بہ لحاظ سلسلۂ روایت، بلحاظ سلسلہ درایت، کمزور سلسلہ روایت پر گرفت کرنے کے لئے اسماء الرجال کا علم، احادیث میں ایک ہی امر کے لئے کئی طریقہ ہائے عمل کے

جواز کا علم، روایات کے تعارض کو رفع کرنے کی صلاحیت، ناسخ منسوخ کا علم، راویوں کی عمروں کا علم، اُن کے عقل و حافظہ کا علم، اُن کے کردار کا علم، اخبارِ آحاد کو قبیح بنانے والے دوسرے عوامل کا علم، کسی کمزور روایت کو صحابہ اور خلفائے راشدین کی عملی سنّت سے تقویت ملنے کا علم، یہ ساری چیزیں بڑی محنت طلب ہیں۔

پھر جن ائمہ فقہا نے فقہ کی عمارتیں کھڑی کی ہیں، ان کے اختیار کردہ (بلکہ استنباط کردہ) اصولوں کا تجزیہ، ان اُصولوں کے انطباق کی مختلف مثالوں کا جائزہ۔ ان اُصولوں سے پیدا ہونے والی مشکلات اور ان کا حل، پھر سارے ائمہ فقہا کے الگ الگ سسٹم کا شعور، پھر یہ جاننا کہ اُن کے متفق علیہ معاملات کیا ہیں۔

علاوہ ازیں عہد رسالت سے اب تک کا تعاملِ مسلسل یا دوسرے پہلو سے علمی و فکری اجماع بجائے خود ایک بھاری قدر و قیمت رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ میری اُمت (خصوصاً اس کے علماء) ضلالت پر کبھی مجتمع نہ ہوگی۔ نیز قرآن کا یہ کہنا کہ:

——— مگر جو شخص رسولؐ کی مخالفت پر کمربستہ ہو، اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، در آں حالے کہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو، تو اُس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بد ترین جائے قرار ہے۔

(النساء - ۱۱۵)

یعنی اگر رسولؐ کے حدودِ اطاعت کے اندر ہو تو اہلِ ایمان کا اختیار کردہ طریقہ بجائے خود ایک حجت رکھتا ہے اور جو کوئی اسے چھوڑ کر، کوئی الگ رُخ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف چلائے گا۔ یہاں تک کہ اُسے جہنم میں جھونک دے گا۔

اہل علم نے اس آیت سے اجماع کا مفہوم اخذ کیا ہے۔ یعنی قرآن کے اتباع اور رسولؐ کی اطاعت کے اندر رہتے ہوئے جو سبیل بھی کسی معاملے میں جمیع اہلِ ایمان اختیار کریں اُسے ہر مسلمان کو قبول کرنا چاہیے۔ خصوصاً اگر کوئی طریقہ یا مسئلہ صحابہ کی سوسائٹی، خلفائے راشدین اور جمیع محدثین و فقہا کا متفق رہا ہو اس میں کوئی نیا راستہ نکالنا غلط ہے۔

ائمہ فقہا نے قرآن کی ہر آیت کے ایک ایک لفظ کو جانچا ہے۔ محدثین کے ساتھ انہوں نے بھی ہر روایت کو کسوٹیوں پر پرکھا ہے۔ اور اس کے راویوں کا پورا پورا جائزہ لیا ہے، آیات و احادیث کے پس منظر کو سامنے رکھا ہے۔ ان کے انطباق کی جو مثالیں دورِ نبوت اور دورِ خلافتِ راشدہ میں پیش آئی ہیں، اُن پر کاوش کی ہے۔ اور پھر وقت کے حاکموں کی گرفت سے اپنے علم کو آزاد رکھنے کے لیے انہوں نے کوڑے کھائے ہیں اور جیلیں بھگتی ہیں، پھر اپنے ماحصلِ علم و اجتہاد کو علما اور طلبا کی کھلی مجلسوں میں پیش کیا ہے تب جا کر ان کے کام کو وہ مقام ملا ہے جو آج ہمارے سامنے ہے۔

پھر اس سارے سرمایۂ علومِ قرآن و حدیث و فقہ کو محفوظ رکھ کر آگے منتقل رکھنے والے قابلِ فخر کردار کو آج مولوی اور ملا کہہ کر اس لیے گالیاں دی جاتی ہیں کہ وہ اہلِ طلب کے حسبِ منشا فیصلے نہیں دیتا۔ یہ وہ کردار ہے جسے انگریز نے عزت و سربلندی کے مقام سے اُتار کر نیچے دے پٹخا۔ مگر اس نے مایوس ہو کر دم توڑ دینے کے بجائے روکھی سوکھی کھا کر اور چٹائیوں پر بیٹھ کر اپنا فریضہ نہایت کٹھن حالات میں انجام دیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج دین و شریعت کے اتنے رازداں اور علمبردار چاروں طرف موجود ہیں کہ دلیل اور بیّنہ کی رُو سے کسی غلط امر کے لیے کسی کی بینش نہیں جاتی۔

اس قوت کا مقابلہ کرنے کے لیے پہلے تو دبیت کے مسئلے پر وہ خواتین اُٹھیں جن کے میک اَپ اور نمائشِ زینت نے پہلے ہی معاشرے میں دھوم مچا رکھی تھی۔ اب وہ دلیل و بیّنہ کی راہ چھوڑ کر مظاہرے کرنے اور جلوس نکالنے پر اُتر آئی ہیں۔ یہ گروہ جس کو قرآن میں حکمِ ستر و حجاب نہ ملا اور حدیث میں اخفائے زینت کی تاکید نہ ملی، جس نے آج تک کبھی کوئی کارنامہ اسلام کے حق میں اور مغربیت کے خلاف انجام نہ دیا، جس نے رقص و سرود کی مخلوط محفلوں کو زینت بخشی، جس نے قطاروں میں کھڑے ہو کر باہر سے آنے والے اغیار کا پوری نمائشِ حُسن کے ساتھ استقبال کیا، جس کے لیے سر پہ دوپٹہ ٹکانا مشکل ہو رہا ہے، جن کے گھروں میں موجودہ دور کی ساری فضولیات کا دَور دَورہ ہے، جن میں سے بعض کو نمازوں کی توفیق نہ ہوتی ہوگی، انہیں "اسلام کے قانونِ دیت" کی تصحیح کے لیے سخت بے تابی لاحق ہوگئی ہے۔ جیسے اسلام میں

یہی ایک حکم نازل ہوا تھا اور یہ درست ہو جائے تو پھر سب ٹھیک ہے۔

اِن سے زیادہ افسوسناک وہ حضرات ہیں جنہوں نے ان کی حمایت کے لیے غلط طریقہ اختیار کیا ہے۔ چوہدری الطاف حسین اور سعید حسن صاحب پر تو کچھ زیادہ گلہ نہیں، جناب خالد اسحاق جیسے صاحبِ مطالعہ اور شرافت کیش قانون دان کا اس سطح پر آتر آنا کہ انہوں نے خلفائے راشدین اور چاروں ائمہ کرام اور تمام مشہور علمائے صالحین کے مقابلے میں پوری اُمت میں سے دو ایسے افراد اصم اور ابن علیہ کو ڈھونڈ کر لا کھڑا کیا ہے، جو معتزلی ہیں جو کمتر سطح کے عالم ہیں۔ اور اُن کے حوالے سے ہمارے سرمایۂ علوم و فقہ میں کوئی خاص اضافہ ثابت نہیں ہے۔ خالد اسحٰق صاحب بڑی وسیع "اسلامی" لائبریری کے مالک ہیں، وہ پہلے ان دونوں حضرات کے حالات تو تفصیل سے پڑھ لیتے۔ خالد اسحٰق صاحب اپنی اس منفردانہ رائے پر اصرار کرتے ہوئے آگے بڑھنے کے بجائے بہتر ہے کہ اپنے نقطۂ نظر کو تبدیل کر لیں۔ جدید خواتین اور ان کا حامی طبقہ دنیا میں ان کا نام اچھال سکتا ہے، اپنے اثر سے کام لے کر ان کو کوئی رتبہ و جاہ دلوا سکتا ہے، مگر آخرت میں خدا کی گرفت سے یہ لوگ نہیں بچا سکتے، بلکہ ان کو تو خود اپنی پڑی ہو گی۔

دوسری طرف ایک فیصد خواتین جن میں افسروں اور بڑے ماڈرن گھروں کی بیگمات شامل ہیں، انہوں نے عائلی قوانین کے سلسلے میں بھی اپنے مطالبات ایوب صاحب سے منوا کر ان کی جبریت کے ڈنڈے کے زور سے جاری کرائے، پھر بھٹو صاحب جو ایسی خواتین پر زیادہ ہی مہربان رہے ہیں، انہوں نے بھی ان خواتین کو نہ چھیڑا، اور اب صدر ضیاء الحق صاحب نفاذِ اسلام کا بڑا طوفانی پروگرام لے کے اُٹھے مگر عورتوں کی "فوج" کے آگے ان کا آہنی جذبۂ ایمانی بھی موم ہو گیا۔ اور انہوں نے قوانین کو شرعی سانچے میں ڈھالنے کے لیے جو اسکیم شروع کی اُس میں عائلی قوانین کو فوق الشریعت (یعنی اسلامی کونسل، اسمبلی، وزارتوں، عام اور شرعی عدالتوں اور مختلف کمیٹیوں اور بورڈوں کی دسترس

سے باہر رکھا۔

اب پھر یہ خواتین اخباری پروپیگنڈے، مذاکروں اور قراردادوں اور مظاہروں کے پیچھے چاہے کتنی ہی کم تعداد پائی جاتی ہو، موجودہ مارشل لا حکومت پہ یہ دباؤ ڈال رہی ہیں کہ وہ ان کو ان کے مغربی تصورِ مساوات کے مطابق شہادت اور دیت وغیرہ کے شرعی قوانین کو بدل کے دے۔ یعنی ایک بار یہ چیزیں جبریت کی فضا میں نافذ ہو جائیں تو پھر اور کس کی جرأت ہو گی کہ وہ ان کے فیصل شدہ "حقوق" میں ردّ و بدل کر سکے، یہ لَے اس حد تک بھی بڑھی ہے کہ عام گفتگوؤں میں بعض افراد نے تو یہ تک کہا کہ اگر شریعت ہمیں یہ حقوق نہیں دیتی تو پھر ہم قرآن و حدیث کو کیا کریں۔

اب ذرا ان خواتین کے جذبات کی آئینہ دار ایک نظم بھی ملاحظہ فرمائیں۔ مئی ۱۹۸۳ء کے ہیرالڈ میں سعیدہ گزدر کی شاعری پر تبصرہ شائع ہوا ہے۔ اور اس میں جس شہ پارے کو خاص عقیدت و احترام سے پیش کیا گیا ہے، تبصرہ نگار نے یوں تعارف کرایا ہے:

"قانونِ شہادت کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے جو جنسی عدم مساوات کو مضبوط کرنا چاہتا ہے، سعیدہ گزدر، اس کے متعلق اپنی نظم "گواہی" میں لکھتی ہیں:۔

"تم مجھ سے انسان کا درجہ چھینتے ہو
میں تمہیں جنم دینے سے انکار کرتی ہوں
کیا میرے جنم کا مصرف یہی ہے
کہ پیٹ میں بچہ پلتا رہے۔
تمہارے لیے اندھے، بہرے، گونگے
غلاموں کی فوج تیار ہوتی رہے۔
تم وہ کہتے ہو
ہم دو کروڑ عورتیں [1]

---

[1] کیا ان محترمہ نے اُن دو کروڑ عورتوں سے پوچھ لیا ہے کہ وہ شریعت (باقی برصفحہ آئندہ)

اس ظلم اور جبر کے خلاف
گواہی دیں گے
جو قانونِ شہادت کے نام پر
تم نے ہمارے سروں پر مارا ہے"۔

قانونِ خدا، قرآن کی آیت میں صریحاً مذکور ہے! اور الزام ان لوگوں پر جو اس قرآن اور اس کے پیش کرنے والے رسولؐ اور اس کے ارشادات اور نمونے پر عمل کرنے والے خلفائے راشدین، محدثین فقہا اور تمام علمائے سلف کے اس تسلسل اور اجماع کو پیش کیا ہے۔ دراصل علماء کو "تم" کے لفظ کا جامہ پہنا کر سامنے رکھا گیا ہے اور ہدف اصلاً خدا اور رسولؐ اور ان کی شریعت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پستی سے ہم سب کو بچانے اور خاک اس مغربی تصور مساوات پر جس کے یہ معنی ہوں کہ مختلف افراد میں تخلیقی، دماغی، مالی، تعلیمی، عدالتی، انتظامی، تعینات کار، دائرہ ہائے کار، آمدنیوں، مصارف، جرائم، مشاورت کسی بھی لحاظ سے کوئی فرق نہ ہو۔ ایک دیہاتی اور غیر تعلیم یافتہ احمق اور شائستہ صاحبِ علم شہری سب کو تمام معاملات میں دخل دینے کے مساویانہ حقوق دے دیئے جائیں۔

ماڈرن عورتوں کی اس فوج کے پیچھے کرسی نشین اور قلم کش لادینیت پسندوں کی ایک بھاری قوت کام کر رہی ہے۔ آج ہی نوائے وقت میں محترم ابن الحسن صاحب کے یہ الفاظ حقیقت کو واشگاف کر کے سامنے رکھ دیتے ہیں کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کے بارے میں کیا کہتی ہیں اور وہ کسی کو جنم دینے سے انکار کرتی ہیں یا نہیں۔ کیا وہ بھی شہادت میں برابری کے لیے "گواہی" دیتی پھرتی ہیں۔ محترمہ کو ان ۵ ہزار خواتین ہی کا خیال کرنا چاہیے جنہوں نے پچھلے دنوں کراچی کے جلسہ عام میں ان کے نقطۂ نظر کے خلاف فیصلے کیے ہیں۔ آخر ان کے پیچھے بھی تو عورتوں کی کوئی تعداد ہوگی۔ سعیدہ گزدر صاحبہ تنہا دو کروڑ عورتوں کو لے اڑیں تو یہ "ذہنی اغوا" ہے۔

"وہ افسر شاہی جو ایوب خاں کے دور میں جبر و قدر کے امکانات سے روشناس ہوئی تھی، ذوالفقار علی بھٹو کے زمانوں میں آئین قضا و قدر سے آشنی واقف ہوگئی کہ ۱۹۷۷ء کے مارشل لا کے طفیل مختارِ کُل بن گئی۔ افسر شاہی کے اس مکمل تسلط نے ایک عجیب اور ناگفتہ بہ صورتحال پیدا کر دی ہے کہ وہ ہر چیز جس کے ذریعے پاکستان کو فکری، قومی اور اخلاقی ترقی حاصل ہونے کا امکان ہوسکتا ہے سب سے اول عمالِ حکومت اور سرکاری مشینری کو ناقابلِ قبول ہوتی ہے۔ مثلاً معاشرہ میں دینی اوامر و نواہی کا نفاذ، قرآنی احکامات کی پابندی، اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے زندگی کے اصولوں کی بندے کے جاری کئے ہوئے اصولوں پر فوقیت، اسلامی قوانین کا اجراء، قومی زبان کو نظامِ تعلیم اور زندگی میں اختیار کرنا، مغربی طرزِ معاشرت، معیشت اور تعلیم میں قومی ضروریات کے مطابق ایسی تبدیلیاں لانا جن سے قومی زندگی میں خود اعتمادی اور توازن قائم کیا جا سکے۔ ان تمام کوششوں کی طرف صدرِ مملکت لاکھ شدت، وضاحت، قطعیت اور خلوصِ نیت سے اظہارِ خیال کریں، اس کی طرف توجہ محض مروتاً اور شرماً حضوری کے تحت ہی ہوگی۔ ہر وہ تجویز جو چلتے ہوئے نظام اور طریقۂ کار کی تبدیلی کے متعلق پیش کی جاتی ہے، تحقیر اور تشکیک کا شکار ہوتی ہے، افسر شاہی کے فعال اور بااثر حلقے اسے اس طرح فائل کی غلامی میں دے دیتے ہیں کہ وہ تجویز یا تو تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی ہے یا اس شکل میں مسخ ہو کر سامنے آتی ہے کہ نئے مسائل اور برائیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے آج کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ پاکستان میں کسی قسم کی تبدیلی جو پاکستان کے قومی تقاضوں یا اسلام کے احکامات سے ہم آہنگ ہو ناممکن العمل ہے کیونکہ اس قسم کی ہر تبدیلی سے کوئی بہت بڑا سانحہ، بہت بڑی آفت، بہت بڑا بھونچال آجائے گا۔

(نوائے وقت لاہور، ۲ جون، اداریتی صفحہ)

بہت اچھی تصویرِ حالات ہے۔ اس قوت کو تو معاشرے میں اٹھنے والی ایسی اختلافی لہروں کی برابر ضرورت ہے اور خصوصاً اسلام کے متعلق اسے یہ پسند ہے کہ مزاحم ذہنیتیں سامنے آئیں ورنہ

کم سے کم ہر معاملے میں انتشار انگیزی کے غبار اُٹھتے رہیں۔ اس کام میں تفرقہ پرداز مولوی بھی، سیکولرازم کے لیڈر بھی اور نفع اندوز اخبارات بھی ان کا پورا پورا ہاتھ بٹاتے ہیں۔

اس بیوروکریسی کا ایک ہتھکنڈہ یہ ہے کہ پہلے ایک معاملہ اسلامی نظریاتی کونسل کو دیا جاتا ہے اس کا فیصلہ پسند نہیں آتا تو پھر ایک کمیٹی بنا دی جاتی ہے پھر کمیٹی کا فیصلہ مجلسِ شوریٰ کے سامنے رکھا جاتا ہے جہاں سے وہ مسترد ہو جاتا ہے پھر ایک اور وسیع تر کمیٹی بنا دی جاتی ہے اور پھر ایک اور انتشار انگیز رپورٹ آجاتی ہے۔ رہے سہے امور وفاقی شرعی عدالت کو تفویض کر دیئے جاتے ہیں۔ سیدھی سی بات کو اس طرح جان بوجھ کر الجھایا جاتا ہے اور اس کے لئے کمیٹیوں میں طرح طرح کے افراد کو چن چن کر شامل کیا جاتا ہے۔

اور نیک دل، ممبر کمیشن صدر صاحب کے متعلق بھی محترم ابن الحسن کی بات سن لیجئے:

"صدر صاحب اس افسر شاہی پر ایسا اعتبار کرتے ہیں اور اس کا ایسا لحاظ اور پاسداری کرتے ہیں کہ اس کی گزارشات پر اور کانفرنسوں اور فائل پر کلیتہً اعتماد کرتے ہوئے سارا نظم ونسق اس کی مرضی اور حکمتِ عملی کے مطابق چلتا ہے۔"

آخری الفاظ:۔

"آج کی قومی زندگی میں ایک جابر و قاہر افسر شاہی کے زبردست صابر و شاکر صدرِ مملکت' اور ایک اتنی ہی صابر و شاکر قوم اللہ سے دست بدعا ہے کہ اے باری تعالیٰ! ہمیں ہمارے اصل حکمرانوں اور غالبوں سے نجات عطا فرمایئے۔

یہ ہے اصل قوت اور اس کے ساتھ وہ ملحد اور اشتراکی دانشور اور غیر پرست اور علاقہ پرست لیڈر، تعلیم، اخبارات، ادب اور تقاریب کے ذریعے ہم آہنگی کا رشتہ رکھتے ہیں، اس ساری مجموعی قوت کی وہ تو ایک ذرا سی جھلک ہے جو آپ کو ان خواتین کی صورت میں نظر آئی ہے جن کی آواز براہِ راست شریعت سے ٹکرا رہی ہے۔

ہمارے ہاں حاکمیت اور قانون کا سرچشمہ عوام نہیں ہیں، ہماری قانون سازی نصوص کے دائرے

میں نہیں، صرف مباحات اور نئے استنباطی و اجتہادی امور کے بارے میں ہم نصوص اور اجماع سے ٹکرائے بغیر فیصلہ کر سکتے ہیں، یہاں مغربی اور برطانوی لادین جمہوریت کا سادہ طریقہ نہیں چل سکتا کہ لوگ داشتائیں رکھنے اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے قانون بنوالیں، وہ زنا بالرضا کو جائز قرار دلوالیں، وہ جب چاہیں ہم جنسیت کو پارلیمنٹ سے حلال تسلیم کرا کے ہم جنسی شادیاں کھلم کھلا کرنے لگیں۔ اور اب تو ساسوں اور بہوؤں سے شادی کرنے کو جائز کر لیا جا رہا ہے۔

وہاں کی عورت مساوات حاصل کر کے جن اونچی ہواؤں میں اڑتی ہے ان کی وجہ سے مرد اب اسے نکاح میں لینے پر آسانی سے تیار نہیں ہوتا۔ وہ برسوں مردوں کے پیچھے دوڑتی ہے ان کے ساتھ "تجرباتی ازدواج" کا عارضی دور (۲، ۲ یا ۴، ۴ سال) گزارتی ہے مگر آخرکار اسے کوئی نیا تجربہ کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح کی عورت اب شو بزنس، بدکاری اور جرائم اور جنسی گندگی سے بھری ہوئی بلیو فلموں میں کام کرنے کے لئے سرمایہ داروں کے استحصال کا سستا شکار بن گئی ہے۔[1]

معزز خواتین کرام! آج جس سڑک پر سفر کا آغاز بڑا معصومانہ سا دکھائی دیتا ہے آگے چل کر وہ بڑی ذلتوں اور گندگیوں کے گڑھوں میں گراتی ہے جہاں سے واپسی ممکن ہی نہیں ہوتی۔

پس بی بیو! مادہ پرست قوموں کی ملحدانہ تہذیب و معاشرت کی نقالی سے بچو، یہ ترقی کی راہ نہیں، تباہی اور رسوائی کی راہ ہے۔ اس سے بچو اور مناسب وقت پر بچ نکلو!

اس طویل تحریر کو ختم کرتے ہوئے میں صرف ایک انتباہ دینا چاہتا ہوں۔

جس ملک کی تشکیل اور جس آزادی کا حصول اسلام اور خدا و رسولؐ کے نام پر کیا گیا تھا اس میں اب اگر خلافِ شریعت اعمال ہی نہیں، مخالفِ شریعت مظاہرے اور احتجاج بھی ہونے لگیں اور حکم و

---

[1] علاوہ ازیں وہ عام ہوسناکی کا شکار بھی ہے شاید آپ نے آکسفورڈ یونیورسٹی کی اس رپورٹ کی خبر پڑھی ہو کہ برطانیہ کے عظیم مساواتی معاشرے کی اس اعلیٰ مخلوط درسگاہ میں ساڑھے تین سو لڑکیوں اور خواتین کو دباؤ کے تحت پروفیسروں اور منتظمین نے نشانۂ ہوس بنایا (وہ تعداد الگ ہے جو از خود شکار ہوتی ہے) تحریک کی گئی ہے کہ مخلوط نظامِ تعلیم کو ختم کیا جائے۔ ان تجربات کے باوجود انہی معاشروں کی تقلید؟ استغفراللہ! (ن۔ح)

قانون کو اس کے معتمد علیہ جاننے والوں سے اصل حقیقت معلوم کرنے کے بجائے دین کے اندر مسخ و تحریف کا تقاضا کیا جانے لگے اور عین اس وقت جب دھوم دھام سے نفاذ شریعت کا اعلان کرنے کے بعد نفاذ شریعت ہی کی راہ میں محض جذباتی روڑے اٹکائے جانے لگیں تو بڑی بھاری آزمائش کی بات ہے۔ ایسا معاشرہ خدا کی گرفت کے خطرے میں ہے۔ کیا تم لوگ بھول گئے جانوں اور عصمتوں کی اس تباہی کو جو تشکیل پاکستان کے وقت بھگتی تھی اور جسے قسط بہ قسط بھارت کے مسلمان بھگت رہے ہیں؟ کیا تم لوگ بھول گئے اس ذلت آمیز شکست کو، دشمنوں کی سازشوں اور اپنی نالائقیوں کے علاوہ ہماری اسلام گریز پالیسی پر ایک گرفت تھی جو جس کے نتیجے میں ۹۰ ہزار افراد لمبی مدت تک مصائب کیمپوں کے غیر انسانی حالات میں اسیر رہے اور جہاں معزز گھرانوں کی خواتین کو گندی نالیاں صاف کرنی پڑیں؟ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ہم آج مشرق اور مغرب دونوں طرف سے ایسی طاقتوں میں گھرے ہیں جن میں کوئی بھی اگر ذرا سا بہانہ پیدا کر کے حملہ آور ہو جائے تو یہ حملہ ایک عذاب ہوگا۔ کیا تم اندازہ کر سکتے ہو کہ اس وقت شہادت اور دیت کے شرعی قوانین پر لڑنے والی جدید خواتین کے ناموس کیسے شدید خطرے میں ہوں گے اور پوری قوم کی جانوں اور عصمتوں پر کیا آفت آسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی شدید گرفت سے ہمیں محفوظ رکھے اور ہماری دفاعی قوتوں کو مضبوط اور ہمارے جذبہ جہاد کو سربلند رکھے۔

بہرحال خدا اور رسولؐ کی شریعت کو مذاق بنانا، اس کے متعلق بات بات پر لڑائی چھیڑنا اور الجھنیں پیدا کرنا، دریافتِ حقیقت کے بجائے اپنی بات نظامِ دین میں ٹھونسنے کی مساعی، اور حقیقت سامنے آنے پر سرِ تسلیم خم کر دینے کے بجائے خدا اور رسولؐ کی تعلیمات کو کھلونا بنا لینا ایسی حرکات ہیں کہ اگر لوگ ان سے توبہ نہ کریں گے اور باز نہ آئیں گے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ خدا اور رسولؐ سے اس طرح کا معاملہ کرنے والی مسلمان قوم جس نے آزادی اور جداگانہ مملکت کا حصول ہی نفاذِ اسلام کے لیے کیا ہو وہ کس طرح اور کب تک خدا کی گرفت سے بچی رہ سکتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر اور دوسرے تمام عناصر پر رحم فرما کر ہمیں دینِ حق اور شریعت مطہرہ کی پیروی اور صحابہ اور محدثین اور ائمۂ فقہا اور جملہ علمائے صالحین کے ادب کی توفیق دے۔

آئندہ صفحات میں عورتوں کے حوالے سے دیت کے قانون پر جو بحث کی جارہی ہے، اس پر علمی استدلال پیش کیا جارہا ہے۔ اُمید ہے کہ سلیم الطبع لوگوں کو اس سے پوری رہنمائی مل جائیگی اور اطمینان حاصل ہو جائے گا۔ اگر کچھ عناصر معاشرے میں دین کے ساتھ ان دلائل کے باوجود انحراف پسندانہ معاملہ کرنا چاہیں تو وہ جانیں اور ان کا خدا۔ دلیل کی دنیا میں اہلِ حق کسی فضول بات کو نہ چلنے دیں گے۔ جبریت کے حربے سے آپ اگر قرآن و حدیث کا حلیہ بگاڑنے میں کامیاب ہو جائیں تو ایسے فیصلے دیر تک چلا نہیں کرتے۔ براہ کرم جو کچھ عرض کیا جارہا ہے اُسے غور سے پڑھیے۔

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورت استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں۔ ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔

(ادارہ)

ادارہ کے کرم فرماؤں سے ضروری التماس

- براہ کرم ادارہ کی طرف سے ارسال کردہ وی۔پی۔پی واپس نہ کریں خریداری یا آرڈر منسوخ کرانا ہو تو قبل از وقت مطلع فرمائیں۔ وی۔پی۔پی واپس کرنا ایک اخلاقی کمزوری ہے اور اس سے ادارہ کو نقصان ہوتا ہے۔

منیجر

ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ۔ دربار مارکیٹ نزد داتا دربار لاہور

رپورٹ اجلاس

کمیٹی علمائے کرام تحریک اسلامی پاکستان

منعقدہ ۱۸ شعبان ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۸۴ء

از کنوینر کمیٹی

سینئر سٹاف میٹنگ منعقدہ ۲۸ رجب ۱۴۰۴ھ مطابق یکم مئی ۱۹۸۴ء میں مولانا نعیم صدیقی صاحب نے تجویز کیا تھا کہ قصاص و دیت اور شہادت کے مجوزہ قوانین پر ہمیں شرعی نقطۂ نظر مرتب کرکے اہلِ علم اور عوام کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ اس پر ایک مستقل سٹینڈنگ کمیٹی قائم کر دی گئی اور اسے ہدایت کی گئی کہ قصاص و دیت اور عورت کی شہادت کے مسئلے کا اچھی طرح سے جائزہ لیا جائے اور پھر اس مسئلے پہ شرعی نقطۂ نظر مرتب کرکے محترم امیرِ تحریک کی خدمت میں پیش کیا جائے وہ اگر ضروری سمجھیں گے تو ترجمان القرآن اور دوسرے اخبارات میں اسے شائع کرایا جائے گا۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ ان مسائل کے علاوہ اگر کچھ اور مسائل پر قرآن و سنت کی روشنی میں رائے قائم کرنے کی ضرورت پڑے گی تو ان پر بھی یہ کمیٹی کام کرکے شرعی نقطۂ نظر مرتب کرے گی۔ اِس کمیٹی کے ذمے یہ کام بھی لگایا گیا کہ عورتوں کے حقوق کی آڑ میں مغربیت کی یلغار کا نوٹس بھی لیا جائے۔

سٹینڈنگ کمیٹی درج ذیل حضرات پر مشتمل ہے۔

مولانا نعیم صدیقی صاحب، مولانا خلیل حامدی صاحب، مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل، مولانا گوہر رحمٰن صاحب، مولانا عبدالرحیم صاحب پشاور، مولانا عبدالمالک صاحب، مولانا عبدالوکیل علوی صاحب اور محمد اسلم سلیمی (کنوینر)

سینئر سٹاف میٹنگ میں یہ توقع بھی ظاہر کی گئی تھی کہ مولانا خلیل احمد حامدی صاحب اس مسئلے پر عالمِ عرب میں کی جانے والی تحقیق سے استفادہ کرکے کمیٹی کے سامنے اپنی رائے پیش کریں گے۔ یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ یہ کمیٹی ادارہ معارف اسلامی منصورہ میں کام کرے گی۔

اس کمیٹی کے منصورہ میں موجود حضرات سے مشورہ کرکے اس کا پہلا اجلاس ۲۰ رمئی کو ادارہ معارفِ اسلامی میں طلب کر لیا گیا۔ اور اس مقصد کے لیے تمام ارکانِ کمیٹی کی خدمت میں ایک خط ۔ ارمئی کو جاری کر دیا گیا۔ جس میں یہ درخواست بھی کی گئی تھی کہ حضراتِ علمائے کرام قصاص و دیت اور شہادت کے مسئلے پر سوچ بچار کرکے تشریف لائیں اور قرآن، آثارِ صحابہؓ، اور فقہا و ائمہ عظام کی آرا کی روشنی میں اپنی تحقیق کو مرتب کرکے تحریری شکل میں اپنے ساتھ لائیں تو کمیٹی کو کسی نتیجے پر پہنچنے میں آسانی ہوگی۔

اجلاس سے ایک دن پہلے حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کا خط بذریعہ ڈاک موصول ہوگیا۔ جس میں انہوں نے اپنے بعض عذرات کی وجہ سے کمیٹی کے اجلاس میں شرکت سے معذرت کی، البتہ انہوں نے شہادت کے مسئلہ پر اور قصاص و دیت کے مسودہ قانون کے پس منظر اور مغرب زدہ طبقے کے اعتراضات کے سلسلے میں اپنے دو وقیع نوٹ ارسال فرما دیئے۔

اسی طرح مولانا گوہر رحمٰن صاحب نے قصاص کی شرعی حیثیت، قصاص کی معافی اور راضی نامے کی صورت، دیت کے قانون اور عورت کی دیت کے بارے میں اپنی تحقیقی رائے قرآن و سنّت اور آثارِ صحابہؓ اور فقہا و ائمہ کرام کی آرا کی روشنی میں مرتب کرکے دے دی۔

مولانا عبدالمالک صاحب نے کچھ عرصہ قبل عورت کی دیت کے مسئلے پر اپنا تحقیقی نوٹ مرتب کیا تھا۔ اس پر کچھ اضافے کرکے انہوں نے قابلِ قدر حوالے شامل کر دیئے۔

مولانا عبدالرحیم صاحب نے بھی قصاص الاطراف اور خون بہا میں مرد اور عورت کی برابری کے مسئلے پر فقہی کتب کے حوالوں پر مشتمل قابلِ قدر نوٹ تحریر کیا تھا، جو وہ اپنے ساتھ لائے۔

اجلاس کمیٹی

مورخہ ۲۸ شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ (۲۰ مئی ۱۹۸۴ء) کو بعد نماز عصر سٹینڈنگ کمیٹی کا پہلا اجلاس ادارہ معارف اسلامی منصورہ کے کمیٹی روم میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت مولانا خلیل احمد حامدی صاحب نے کی۔ اس اجلاس میں درج ذیل حضرات شریک ہوئے۔

مولانا گوہر رحمٰن صاحب، مولانا عبدالمالک صاحب، مولانا عبدالرحیم صاحب، مولانا عبدالوکیل علوی صاحب، مولانا گلزار احمد مظاہری صاحب (خصوصی دعوت پر) مولانا محمد حسین صاحب جو مولانا مظاہری صاحب کے ساتھ تشریف لائے اور محمد اسلم سلیمی۔

اس اجلاس میں مفتی سید سیاح الدین صاحب کاکاخیل اپنے عذرات کی وجہ سے اور مولانا نعیم صدیقی صاحب اپنی بیماری کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔

کارروائی کا آغاز مولانا عبدالمالک صاحب کی تلاوت سے ہوا۔ انہوں نے سورۃ البقرۃ کی آیات نمبر ۱۷۸ اور ۱۷۹ تلاوت کیں جن میں قصاص کی فرضیت بیان کی گئی ہے۔

اس کے بعد کنوینر نے اس کمیٹی کے قیام کا پس منظر اور اس اجلاس کی غرض و غایت بیان کی۔ اور بتایا کہ مفتی سیاح الدین صاحب اور مولانا گوہر رحمٰن صاحب اور مولانا عبدالمالک صاحب کی تحریری آرا آ چکی ہیں۔ صدر مجلس کی اجازت سے زیر دستخطی نے مفتی سید سیاح الدین صاحب کے ارسال کردہ نوٹ پڑھ کر سنائے۔ یہ دونوں نوٹ اس کارروائی کے ساتھ منسلک ہیں۔

اس کے بعد مولانا گوہر رحمٰن صاحب نے عورت کی دیت کے بارے میں اپنا مفصل نوٹ پیش کیا۔ نماز مغرب کے بعد مولانا عبدالمالک نے اپنی تحریری رائے پیش فرمائی۔ اور پھر مولانا عبدالرحیم صاحب نے وہ تحریر پیش کی جو وہ لکھ کر لائے تھے۔ سب رپورٹیں اس کارروائی کے ساتھ منسلک ہیں۔

مولانا عبدالوکیل علوی صاحب نے فرمایا کہ وہ کوئی تحریری رائے تو مرتب نہیں کر سکے، جو آرا اب پیش کی جا چکی ہیں، اُن سے انہیں اتفاق ہے۔ اُنہوں نے یہ پیش کش کی کہ تینوں آراء میں جو حوالے درج ہیں اُن کی تخریج کر کے اگر ان سب کی روشنی میں ایک جامع مضمون مرتب

کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے تو وہ یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔
مولانا عبدالوکیل علوی صاحب نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ دیت کے مسئلے پر ایک مثبت مضمون کے ساتھ ہی ایک اور مضمون بھی تیار کیا جائے جس میں ان اعتراضات کا موثر طور پر جواب دیا جائے جو مغرب زدہ عورتیں اور ان کو استعمال کرنے والے لوگ عورت کی نصف دیت کے مسئلے پر پیش کرتے ہیں۔
مولانا گوہر رحمٰن صاحب نے یہ رائے پیش کی کہ شریعت میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ کسی خاص کیس میں حالاتِ مقدمہ کے پیش نظر اگر قاضی چاہے تو تعزیراً کسی عورت مقتولہ کے قاتل پر مقررہ دیت کے علاوہ بھاری جرمانہ بھی عائد کر دے اور اس جرمانے کی رقم میں سے کچھ حصہ مقتولہ کے ورثا کو دلا دے جو شریعت کی مقرر کردہ دیت (مرد کی نصف) کے علاوہ ہوگا۔ مولانا گوہر رحمٰن صاحب نے تجویز کیا کہ اگر ہماری طرف سے اس بات کو نمایاں طور پر پیش کیا جائے تو اس بات کا امکان ہے کہ مغرب زدہ عورتوں کا اُٹھایا ہوا فتنہ کسی حد تک دب جائے۔

اس کے بعد صدر مجلس مولانا خلیل احمد حامدی صاحب نے اپنی رائے پیش کی۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ کوئی تحریر تو مرتب نہیں کر سکے ہیں، کیونکہ انہیں اس کمیٹی کے قیام کا علم اس خط کے ملنے پر ہی ہوا۔ البتہ انہوں نے اس مسئلے پر سعودی عرب، لیبیا اور مصر میں ہونے والے کام کا خلاصہ پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ جس طرح آج یہ مسئلہ پاکستان میں اُٹھا ہوا ہے، اور زیر بحث ہے، اسی طرح آج سے چودہ پندرہ سال پہلے یہ مسئلہ سعودی عرب، لیبیا اور بعض دوسرے ممالک میں بھی اُٹھا تھا۔ اور فقہی کتابوں کے جو حوالے آج مولانا گوہر رحمٰن صاحب، مولانا عبدالمالک صاحب اور مولانا عبدالرحیم صاحب نے پیش فرمائے ہیں۔ وہ تسلسل کے ساتھ مختلف ممالک میں پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ اور مختلف اہلِ علم نے اس موضوع پر کھل کر اظہارِ خیال کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ مصر کے عبدالقادر عودہ شہید نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے۔ شیخ فتحی بھنسی، ڈاکٹر علی علی منصور، اور فاروق نبہان نے زوردار کتابیں لکھی ہیں۔ اسی طرح احمد محمد الحصری جو اردن یونیورسٹی میں پروفیسر

ہیں - انہوں نے دیت، جنایات اور شہادت کے موضوع پر قابلِ قدر مواد جمع کیا ہے -
ابوزہرہ، سید سابق اور عبدالکریم زیدان کی تحقیقات بھی قابلِ قدر ہیں - اس معاملے میں
شیخ ابوزہرہ اور علی علی منصور نے منفرد رائے قائم کی ہے اور عورت کی دیت مرد کے
برابر کر دینے کی تجویز پیش کی ہے -

مولانا حامدی صاحب نے مزید بتایا کہ آج سے چودہ پندرہ سال پہلے ۱۳۹۰ھ میں
سعودی عرب میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا کہ عورت کی دیت مرد سے نصف ہونے کے مسئلے پر از سرِ نو
غور کیا جائے - چنانچہ ایک کونسل اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے قائم کی گئی جس میں ہائی کورٹوں
جج اور چیف جسٹس صاحبان کے علاوہ کورٹ آف اپیل کے جج اور کچھ دوسرے اہلِ علم کو
جمع کیا گیا - سب نے بالاتفاق یہ فیصلہ دیا کہ نہ صرف فقہ حنبلی میں بلکہ مذاہب اربعہ میں اور پوری امت
میں اس پر اتفاق چلا آرہا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے - البتہ اس کونسل نے
دیت کی قیمت میں بحالات موجودہ اضافہ کرکے سوا لاکھ ریال مقرر کر دی ہے -

ابوظہبی میں بھی اس مسئلے پر جو تحقیق ہوئی وہ بھی اسی نوعیت کی ہے -

۱۹۷۳ء میں لیبیا میں قذافی نے اس طرح کے مسائل پر غور کرنے کے لیے ایک کونسل
طلب کی تھی جس کے سیکرٹری ڈاکٹر علی علی منصور تھے - اس وقت ڈاکٹر علی علی منصور نے جمہور
کی آراء سے انحراف کرتے ہوئے اصم اور ابن عُلَیَّہ[1] کے قول کو قبول کیا اور عورت کی دیت مرد
کے برابر قرار دی - ڈاکٹر منصور نے اس سلسلے میں ابوزہرہ کا سہارا لیا -

ابوزہرہ نے اپنی کتاب "العقوبہ فی الاسلام" میں یہ خام سی رائے پیش کی تھی کہ عورت کی
دیت کو مرد سے نصف قرار دینے والوں نے اس مسئلے کے مالی پہلو کو پیشِ نظر رکھا ہے اور اس
مسئلے کا انسانی پہلو اور انسانی جان کے اتلاف کے جرم کے صدور کا پہلو، پیشِ نظر نہیں رکھا ہے
ابوزہرہ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ قاتل مرد پر حملہ آور ہو یا عورت پر، اس کی مجرمانہ ذہنیت
ایک ہی نوعیت کی ہوتی ہے اور عورت اور مرد کا خون یکساں محترم ہے، اس لیے انہوں نے ابوبکر اصم کی

---

[1] ان دونوں شخصیتوں کے متعلق کمیٹی کے مرتبہ مرکزی مقالہ میں بحث کی گئی ہے -

رائے کو قبول کرتے ہوئے تجویز کیا کہ عورت کی دیت کو مرد کی دیت کے برابر سمجھا جائے۔

مولانا خلیل حامدی صاحب نے بتایا کہ شیخ ابوزہرہ کے بعد احمد محمد الحصری نے ابوزہرہ کا نام لیے بغیر اُن کی رائے کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ اسی طرح تمام علمائے ازہر نے بالاتفاق اجماع امت کے مطابق یہی رائے دی ہے کہ عورت کی دیت نصف ہے۔ مصر میں حال ہی میں مصری پارلیمنٹ کے فیصلے کے تحت اسلامی قوانین کمیٹی نے جو مسودۂ قانون تیار کیا ہے، اُس میں بھی علمائے ازہر کی اس متفقہ رائے کے مطابق ہی طے ہوا ہے کہ عورت کی دیت نصف ہے۔

عالم اسلام میں اس مسئلے پر ہونے والے تحقیقی کام کو مجلس کے سامنے پیش کرنے کے بعد خلیل حامدی صاحب نے وہ حوالے بھی پیش کیے جو انہوں نے فقہ کی کتابوں سے نوٹ کیے تھے۔ اور آخر میں کہا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہونے کے مسئلے پر قرون اولیٰ سے لے کر اب تک ایک تسلسل پایا جاتا ہے۔ اور جن چند ایک حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے ان کی آرا شاذ ہیں اور ان کے دلائل مضبوط نہیں ہیں۔

مولانا عبدالمالک صاحب نے فرمایا کہ اگرچہ شیخ ابوزہرہ نے عورت کی دیت نصف ہونے پر اجماع کو اجماع سکوتی قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اجماعِ سکوتی کو اکثر نے حجت نہیں مانا ہے لیکن اس اجماعِ سکوتی کے ساتھ ساتھ تعامل صحابہؓ بھی تو یہی ہے کہ عورت کی دیت نصف ہے۔ تعامل صحابہؓ تو ہر ایک کے لیے حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا خلیل حامدی صاحب نے فرمایا کہ خالد اسحاق صاحب ایڈووکیٹ اور ریاض الحسن نوری صاحب نے اپنے مضامین میں جو دلائل پیش کیے ہیں اُن کا جواب بھی ہمیں دلائل کے ساتھ ایک الگ مضمون کی شکل میں دینا چاہیے۔

مولانا گلزار احمد مظاہری صاحب نے فرمایا کہ اصم اور ابن عُلَیّہ کی حقیقت بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ معتزلہ میں سے تھے۔ اس لیے ان کے شاذ قول کو اہمیت نہیں دینی چاہیے۔

آخر میں طے ہوا کہ مولانا گوہر رحمٰن صاحب نے عورت کی دیت کے بارے میں جو مضمون تحریر فرمایا ہے اس کی اگر وہ مزید تشریح کر دیں اور اُس میں اُن حوالوں کو بھی شامل کر دیا جائے

جو مولانا عبدالمالک صاحب اور مولانا عبدالرحیم صاحب نے پیش کیے ہیں تو اس کو ایک مثبت اور جامع مضمون کی شکل میں شائع کر دیا جائے۔

اس کے علاوہ خان اسحٰق صاحب اور ریاض الحسن نوری صاحب کے مضامین میں جو اعتراضات نصف دیت پر کیے گئے ہیں ان کا جائزہ مولانا عبدالوکیل علوی صاحب اور مولانا گوہر رحمٰن صاحب لیں اور پھر ان اعتراضات پر تنقید مرتب کریں اور ایک الگ مضمون تیار کیا جائے اور شائع کیا جائے۔

پونے نو بجے دُعا کے بعد یہ اجلاس ختم ہوا۔

محمد اسلم سلیمی

سرکاری کمیٹی کا مسودۂ قصاص و دیت

ادارہ ترجمان القرآن

قصاص و دیت کا مسودہ جو ۱۹۸۰ء میں اسلامی نظریاتی کونسل نے قریباً سال بھر کی محنت کے بعد تمام مراحل طے کر کے مرتب کیا تھا وہ اُس وقت حکومت کو پیش کر دیا تھا۔ اب چار سال کا عرصہ یوں گزرا کہ وہ مختلف کمیٹیوں کے چکر میں پڑا رہا۔ اس میں ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی اور جب مجلس شوریٰ میں وہ پیش ہوا تو اس کی دفعات میں سے بہت سی دفعات ان لوگوں کو جو انگریزی قانون کے ماہر کہلاتے ہیں پسند نہیں تھیں بلکہ درحقیقت بات یوں ہے کہ وہ لوگ قتل و جروح کے بارے میں انگریزی قانون کو بدل کر سرے سے اسلامی قانون کو لانے کے لئے تیار ہی نہیں، لیکن چونکہ کھل کر یہ جرأت بھی نہیں کر سکتے کہ یہ کہہ دیں کہ قرآن و سنت کا قانون منظور نہیں اس لئے وہ مسلسل کوشش کرتے رہتے ہیں کہ بات ٹل جائے۔ ان لوگوں نے اور ان کے ساتھ ان کی ہم خیال عورتوں نے زور لگا کر یہ تجویز پیش کی کہ اب ایک اور منتخبہ کمیٹی اس پر غور کر کے رپورٹ پیش کرے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹالنے کے لئے پس پردہ تار کہیں اور جگہ سے ہلائے جا رہے ہیں اور ان تجویز کرنے والوں کو درحقیقت کسی اور نے آمادہ کیا تھا، بہر حال کمیٹی بن گئی۔ جس کے چیئرمین جہلم کے ایک وکیل چودھری الطاف حسین تھے جو مسلسل ہمیشہ ہر دینی بات کی مخالفت اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں اور اس انداز سے گفتگو کرتے ہیں جیسے کہ کوئی اسلام کا

مخالف کیا کرتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے آدمی کو اسلامی قانون سازی کے لئے کسی کمیٹی کا چیئرمین منتخب کرنے پر اگر کسی سازش کا شبہ پیدا ہو تو بے جا نہ ہو گا۔ اس میں ایک دیوبندی عالم ایک بریلوی مسلک کے عالم اور ایک شیعہ حاجی صاحب کوئٹہ کے اور دو عورتیں مجلس شوریٰ کی ممبر خواتین میں سے اور ایک کراچی کے وکیل صاحب سعید حسن مقرر کئے گئے جو الطاف حسین سے بھی دو قدم آگے ہیں۔

آئندہ نو مہینے اس کمیٹی نے لگائے اور اپریل ۱۹۸۴ء کے اجلاس میں چودھری الطاف حسین نے ایک رپورٹ پیش کی جس کو پڑھتے ہی تمام علمأ اور مجلس شوریٰ کے دوسرے اہل علم اور دین سے مخلصانہ لگاؤ رکھنے والے ارکان نے کہا کہ یہ تو اصل مسودہ کو مسخ کیا گیا ہے اور ان صاحب نے اپنی طرف سے وہی پرانا انگریزی قانون تعزیرات پاکستان پیش کیا ہے، تینوں علمأ نے اس سے برأت کا اظہار کیا اور انھوں نے چالیس صفحات پر مشتمل اختلافی نوٹ پیش کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ الطاف صاحب نے صرف اپنی خواہش نفس کی ساری باتیں لکھ دی ہیں، ہماری طرف سے جو بھی اختلافی بات آتی رہی اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ رپورٹ مرتب کر کے ہمیں نہیں دکھائی۔ اس لئے یہ کمیٹی کی رپورٹ ہے ہی نہیں مفتی محمد حسین نعیمی صاحب نے تو شوریٰ میں یہاں تک کہا کہ اگر اس رپورٹ کے ٹائٹل پر مجلس شوریٰ کی منتخبہ کمیٹی اور الطاف حسین کا مسلمانوں جیسا نام نہ ہوتا اور کوئی رپورٹ پڑھتا تو یہی سمجھتا کہ یہ کسی غیر مسلم کی تحریر ہے۔

مجلس شوریٰ کے اکثر ارکان نے بھی یہی مطالبہ کیا کہ اس رپورٹ کو رد کر دیا جائے۔ خواتین ساری کی ساری دوسری طرف تھیں وہ ان دو دفعات کی خاطر ان وکلأ حضرات کی حمایت میں سرگرم تھیں جو ان کو یقین دلا رہے تھے کہ ان دو دفعات میں ہم تمہارے ساتھ ہیں اور باقی اسلام کو نکالنے کے لئے تم ہمارا ساتھ دو۔

آخر کشمکش بہت بڑھ گئی تو صدر صاحب نے یہ فیصلہ کیا کہ راجہ محمد ظفر الحق صاحب کی چیئرمینی میں ایک کمیٹی بن جائے جس کے ارکان مجلس شوریٰ کے وہ سارے افراد ہوں جو اس مسودہ پر غور کرنے والی ساری کمیٹیوں کے ممبر رہے ہوں اور اسلامی نظریاتی کونسل کے

چیئرمین اور ایک ممبر شیخ غیاث محمد صاحب بھی اس میں شامل ہوں۔ اس پر مجلس شوریٰ کے چیئرمین خواجہ صفدر صاحب نے پانچ اور ارکان کے ناموں کا اضافہ کیا جن میں دو اور خواتین تھیں، ایک اقلیتوں کا نمائندہ تھا اور دو وکلا، اس طرح چالیس سے اوپر ارکان پر مشتمل یہ کمیٹی بن گئی۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب نے راجہ ظفر الحق سے اس بات کی اجازت لی کہ ان کے ساتھ تعاون کے لئے مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل بھی اس مجلس میں شریک ہوں اور اقلیتی نمائندہ نے اجازت حاصل کی کہ ایک مزید اقلیتی نمائندہ گرداری لال بھاٹیہ بھی شریک ہوں۔

اس کمیٹی نے راجہ ظفر الحق صاحب کی صدارت میں اپنا کام شروع کیا۔ صبح و شام مسلسل طویل اجلاس ہوتے رہے جس میں چودھری الطاف حسین اور اقبال احمد خاں یہ دونوں وکیل اور ساری خواتین ممبران جو چھ سات تھیں مسلسل رکاوٹیں ڈالتے رہے اور یوں معلوم ہو رہا تھا کہ ان کی کوشش یہ ہے کہ یا تو یہ مسودہ حقیقی اسلامی رنگ میں منظور نہ ہو بلکہ وہی الطاف صاحب کی رپورٹ مانی جائے یا پھر معاملہ کو ٹال دیا جائے تاکہ کچھ بھی نہ بنے۔ راجہ ظفر الحق صاحب کا رویہ بہت مناسب تھا ان کی کوشش یہ معلوم ہو رہی تھی کہ یہ کمیٹی کوئی متفقہ مسودہ پیش کر سکے۔ بہر حال ایک مسودہ مرتب ہوا جس میں اکثر دفعات پر ارکان کی اکثریت نے اتفاق کیا مگر یہ حضرات آخر تک کہتے رہے کہ ہم اختلافی نوٹ دیں گے۔

اس میں اہم مسئلے دو ہیں (اور ان کا تذکرہ آگے آرہا ہے) جن کی خاطر معلوم ہو رہا ہے کہ عالم بالا کے حضرات بھی یہ چاہتے ہیں کہ ان مغرب زدہ عورتوں کو خوش کیا جائے اور کہیں سے کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ قصاص میں عورت کی گواہی قبول ہو اور اس کی دیت بھی مرد کے برابر ہو جائے۔ مجلس شوریٰ میں جب راجہ صاحب کی کمیٹی کا یہ مسودہ پیش ہوگا تو وہاں بھی زیادہ ہنگامہ اس پر ہوگا۔ ہاں ایک بات لکھنے سے رہ گئی ہے کہ اس کمیٹی میں جب دیت کی بحث آئی اور عورتوں نے بہت ہنگامہ برپا کیا اور ان دونوں وکیلوں نے ان کی وکالت کی اور اس بات پر اڑے رہے کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے عورت کی دیت نصف نہیں ہے، پوری دیت ہے اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ اس دفعہ ۲۸ کو بہانہ بنا کر وہ گاڑی کو آگے چلنے سے روکنا چاہتے ہیں تو مصلحتہً ان کی بات مان لی گئی کہ

اس کا فیصلہ وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کا شرعی بنچ کرے گا[1]۔ علماء نے یہ بات اس وقت محض اس لئے مان لی کہ کمیٹی کا ماحول جدال اور نزاع کا اور شور و غل کا اور غیر سنجیدہ انداز تھا اور وہ اس کو اگلی کارروائی کے لئے رکاوٹ بنانا چاہتے تھے۔ متذکرہ وجہ التوا کے سلسلے میں ذہن میں یہ تھا کہ چونکہ دلائل اس بارے میں مضبوط موجود ہیں اور عدالت کا ماحول سنجیدہ ہوتا ہے جہاں باری باری سے بات سنائی جا سکے گی۔ اس لئے انشاء اللہ وہاں فیصلہ صحیح شرعی ہوگا۔

پس اس وقت ضرورت ان دو مسئلوں کو مضبوط دلائل کے ساتھ اس انداز سے ثابت کرنا ہے کہ مجلس شوریٰ کے تمام وہ ارکان جو خود اسلامی تعلیمات سے براہ راست واقف نہیں ہیں وہ بھی دلائل کی قوت سے متاثر ہو کر ان دونوں دفعات کو اس طرح رہنے دیں جو کونسل نے پیش کی ہیں اور وہ حضرات جو ان کی شدید مخالفت کر رہے ہیں وہ بالکل لاجواب ہو کر کچھ نہ کہہ سکیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ قصاص میں عورت کی شہادت معتبر نہیں۔ یعنی محض عورتوں کی شہادت پر کسی سے قصاص نہیں لیا جا سکتا۔ تعزیر کا مسئلہ زیر بحث نہیں ہے کیونکہ مسودہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ اگر کسی قتل کے واقعہ میں عورتوں کی گواہی ہے اور قاضی کو ان کی گواہی سے اور دوسرے سے یہ یقین حاصل ہو جائے کہ اس شخص نے قتل کیا ہے تو قتل کا مجرم قرار دے کر اس کو تعزیراً حالات کے مطابق ہر طرح کی سزا دے سکتا ہے حتیٰ کہ وہ قتل بھی کر سکتا ہے۔ ماڈرن عورتیں کہتی ہیں کہ ڈاکو بعض اوقات ایسے حالات میں ڈاکہ ڈالتے ہیں کہ وہاں کوئی مرد نہیں ہوتا، صرف عورتیں ہوتی ہیں تو کیا مجرم چھوٹ جائیں گے؟ ان کا یہ کہنا غلط ہے یہ کسی نے نہیں کہا کہ ان کو پوری پوری سزا بشکل تعزیر نہیں دی جا سکے گی۔ بلکہ صرف قصاص کی بات ہو رہی ہے،

---

[1] یہ تو خوش قسمتی کی بات ہے کہ وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شرعی بنچ میں شریعت کا احترام کرنے والے اور استنباط مسائل کے فقہی شعور رکھنے والے حضرات موجود ہیں ورنہ کل اگر کہیں ان عدالتوں میں بھی چودھری الطاف حسین اور جناب سید حسن جیسے اصحاب مسند نشین ہو جائیں تو ان اعلیٰ ترین قانونی اداروں کے فیصلوں سے احکام خدا اور رسولؐ کا کیا حشر ہوگا۔ (ن ص)

کونسل نے اس سلسلہ میں اپنے استدلال کا اصل مدار امام زہری رحمۃ اللہ کا یہ قول قرار دیا ہے

مضت السنۃ لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلیفتین من بعدہ

ابی بکر وعمران لاشہادۃ للنساء فی الحدود والقصاص (مصنف ابن ابی شیبہ)

ترجمہ: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور آپ کے بعد کے دونوں خلفاء جناب ابوبکرؓ اور جناب عمرؓ کی طرف سے یہی طریقہ جاری رہا ہے کہ حدود و قصاص کے معاملے میں عورتوں کی شہادت نہیں ہوتی۔

اسی لئے تمام فقہائے کرام نے اس قول کو استدلال میں پیش کیا ہے۔ "مضت السنۃ" کے الفاظ اصول حدیث کے مطابق دلالت کرتے ہیں کہ یہ سنتِ متواترہ ہے، قطعی ہے اور اس کے خلاف دوسرا کوئی قول جناب رسول اللہ اور شیخینؓ سے منقول نہیں ہے، کچھ ایسے لوگ جو علماء کہلاتے ہیں یا اردو تراجم کے ذریعہ حدیث و فقہ کی کتابیں پڑھتے ہیں انہوں نے خود اپنی بے دینی کی وجہ سے آئندہ دولتوں کے حصول کے لیے ان لوگوں کی پشتیبانی شروع کی ہے اور وہ ان کو آدھے پورے حوالے دے رہے ہیں۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ کراچی کے وکیل خالد اسحٰق صاحب ان کو مواد مرتب کر کے دے رہے ہیں۔ انہوں نے امام زہریؒ کے اس قول کو ضعیف اور ناقابل اعتماد قرار دینے کے لئے اس کے کچھ راویوں پر جرح کی ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کا جواب دے کر یہ ثابت کیا جائے کہ امام زہریؒ کا یہ قول یقیناً قابل استدلال ہے

اسلامی نظریاتی کونسل کے مسودہ قانون میں عورت کے لئے قتلِ خطا کی صورت میں نصف دیت کا ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اس کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ جناب خالد اسحٰق صاحب نے اس مسئلہ کے خلاف ان کی مدد کے لئے ایک مضمون بھی لکھا ہے جس کا ایک حصہ ہمیں موصول ہو گیا ہے اہل علم ان کے دلائل کو خود دیکھ کر اس کا جواب سوچیں کیونکہ وہ درحقیقت دلیلیں نہیں ہیں، محض مغالطہ انگیزی ہے۔ یہاں کتابوں کی عبارتیں نقل کرنے کی بجائے اس مسئلہ کے لئے صرف کتابوں کے حوالے نقل کیے جاتے ہیں۔

عورت کی دیت شرعی دلائل کی روشنی میں

قصاص و دیت کمیٹی منصورہ

احادیث و آثار کی رہنمائی میں

احادیث، آثار صحابہؓ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت قتل کے مقابلے میں نصف ہے۔

۱۔ عن معاذ بن جبلؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیة المرأة علی النصف من دیة الرجل و روی ذالک من وجه اٰخر عن عبادة بن نسی وفیه ضعف۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے"

سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الدیات باب دیة المرأة ص ۹۵، جلد ۸

کنز العمال کتاب القصاص ص ۵۷، جلد ۱۵

نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایة ص ۳۶۳، جلد ۴

اس حدیث کو اگرچہ بیہقی نے اور اسی طرح الجوہر النقی نے بھی ضعیف کہا ہے، لیکن ضُعف حسب راوی کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ہو اور تائید میں دوسری روایات موجود ہوں یا اس حدیث کو "تلقی بالقبول" حاصل ہو یعنی راوی کی کمزوری کے باوجود فقہاء سلف نے اسے دلیل بنایا ہو تو ضُعفِ راوی کے باوجود وہ حدیث قابلِ استدلال اور بنائے حجت

ہوتی ہے۔ حدیث کے طالب علموں تک کو معلوم ہے کہ سُننِ ترمذی کے متعدد ابواب میں حدیث نقل کر کے اس کی سند پر اعتراض بھی کیا گیا ہے اور پھر اس پر صحابہؓ و تابعین اور ائمہ فقہ کا عمل بھی نقل کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس کی تائید میں دوسری روایات موجود ہوتی ہیں۔ یہاں بھی حدیث مذکور کی تائید میں دیگر کئی شواہد موجود ہیں۔ مثلاً:

عن عَمْرِو بن شُعَيب عن ابيه عن جدّه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

۲ — عَقْلُ المرأةِ مثلُ عقلِ الرجل حتى يبلغَ الثُّلُثَ من ديته

"عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے، یہاں تک کہ مرد کی دیت کے ثلث تک پہنچ جائے۔"

سنن نسائی کتاب القود، باب عقل المرأة ص ۴۴-۴۵ جلد ۸

سنن دارقطنی مع التعلیق المغنی کتاب الحدود والدیات ص ۹۱ جلد ۳

جامع الاصول، کتاب الدیات ص ۴۱۵، جلد ۴

المصنّف لعبد الرزاق ص ۳۹۶ جلد ۹

کنز العمّال ص ۵۴، جلد ۱۵

نصب الرّایۃ ص ۳۶۴، جلد ۴

اس حدیث میں "شجّات" و "جراحات" یعنی زخموں کی دیت میں مرد کی کل دیت کی تہائی تک تو برابری کا ذکر آیا ہے۔ اور اس حد تک برابری کے اقوال بعض صحابہؓ و تابعینؒ اور بعض ائمہ فقہ سے مروی بھی ہیں، لیکن زخموں کی اس دیت کے بارے میں جو کل دیت کی ایک تہائی سے زیادہ ہو یا عورت کے قتل خطا کی دیت کے بارے میں صاف طور پر آیا ہے کہ وہ مرد کی دیت کے برابر نہیں ہے (بلکہ نصف ہے) اور زخموں کی دیت میں ایک تہائی تک مساوات کا قانون اگر بنایا جائے تو ہمارے نزدیک راجح تو نہیں ہے، مگر باطل بھی نہیں ہے۔ اسے قبول کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ یہ بعض صحابہؓ سے مروی بھی ہے اور مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک بھی ہے۔ = $\frac{1}{3}$ تک برابر دا

آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

۱۔ عَنِ ابنِ شہابٍ و مکحول و عطاء...... فقوّم عمرُ تلك الدية (اي مائة من الابل):
على اهل القرى الف دينارٍ، او اثني عشر الف درهم، و دية الحرة المسلمة اذا كانت من اهل القرى خمس مائة دينار، او ستة آلاف درهم، فاذا كان الذى اصابها من الاعراب فديتها خمسون من الابل۔

"ابن شہاب زہریؒ، مکحولؒ اور عطاءؒ (تابعین) سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے شہری علاقوں کے لوگوں پر سو اونٹ کی قیمت ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم مقرر کی تھی اور شہری علاقوں کی آزاد اور مسلمان عورت کی دیت پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم مقرر کیے تھے۔ اور اگر عورت کا قاتل دیہاتی ہوتا (جن کے پاس نقد رقم نہیں ہوتی تھی) تو پھر اس کی دیت ۵۰ اونٹ مقرر کیے تھے"۔

کتاب الاُمّ از امام شافعیؒ ص ۱۰۶، جلد ۶
سُنَن کبریٰ از بیہقیؒ ص ۹۵، جلد ۸

بارہ ہزار درہم اور چھ ہزار درہم اس سکّے کے حساب سے مقرر کیے گئے تھے جس کے بارہ ہزار درہم ایک ہزار دینار اور چھ ہزار درہم پانچ سو دینار کے برابر ہوتے تھے۔ دوسرا سکہ بھی عہدِ نبوی میں مروج تھا جس کے دس ہزار درہم ایک ہزار دینار کے برابر ہوتے تھے۔ حنفیہ نے اسی حساب سے ۱۰ ہزار درہم دیت مقرر کی ہے اور بعض دوسری روایات میں وضاحت کے ساتھ ۱۰ ہزار درہم کا ذکر بھی آیا ہے۔

خلیفۂ رسول حضرت عمرؓ نے جب یہ حکم صادر فرمایا کہ عورت کی دیت نصف ہے تو کسی صحابی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا اور یہ دَورِ فاروقی کا متفق علیہ قانون بن گیا۔ اس کے ثبوت ملاحظہ ہوں:

۲۔ عن ابراهيم النخعي عن عمر بن الخطاب، وعلى بن ابى طالب

انهما قالا عقل المرأة على النصف من دية الرجل فى النفس وفيما دونها۔

"حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں نے کہا ہے کہ عورت کے قتلِ نفس اور زخموں کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔"

کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ از امام محمد طبع لاہور۔ ص ۲۸۴ جلد ۴
سنن کبریٰ از بیہقی ص ۹۶، جلد ۸

۳ ـــ روی ذالك عن عمر وعثمان وعلی والعبادلۃ: ابن مسعود وابن عمر وابن عباس۔

"عورت کی دیت کے نصف ہونے کا فتویٰ عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔"

(التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر طبع پاکستان)
ص ۲۴۴، جلد ۴

۴ ـــ وعن الشعبی عن زید بن ثابتؓ انه قال: جراحات الرجال والنساء سواء الی الثلث فما زاد فعلی النصف۔

"زید بن ثابتؓ (صحابی ہے) سے مروی ہے کہ مردوں اور عورتوں کے زخموں کی دیت کل دیت کی ایک تہائی تک برابر ہے اور اس سے زائد میں عورت کی دیت نصف ہوگی۔" (سنن کبریٰ از بیہقی ص ۹۶، جلد ۸)

۵ ـــ امام مالکؒ کے استاذ ربیعۃ الرائی نے جب مدینہ منورہ کے مشہور سات فقہا میں سے ایک بڑے سعید بن مسیب کے سامنے ایک تہائی سے زائد میں عورت کی دیت کے نصف ہونے پر اپنی الجھن کا اظہار کیا تو سعید بن مسیب (جو تابعی تھے) نے فرمایا "کیا تو عراقی ہے (جو ایک تہائی میں بھی نصف کے قائل ہیں)۔ اے میرے بھائی یہ تو سنت ہے۔"

(سنن کبریٰ از بیہقی ص ۹۶، جلد ۸)
(المصنف از عبدالرزاق ص ۳۹۴، جلد ۹)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "امام مالک کہا کرتے تھے کہ ایک تہائی تک مساوات اور اس سے زائد میں نصف دیت سنت ہے۔ میں اس بارے میں اس کی متابعت تو کرتا تھا لیکن دل میں کچھ الجھن تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ اہل مدینہ کی سنت ہے (جیسے امام مالک حجت کہتے ہیں) تو میں نے رجوع کر لیا۔" (اور مطلق دیت کے نصف ہونے کا قائل ہو گیا)۔

(التلخیص الجبیر، ص ۲۵، جلد ۴۔ نیل الاوطار، ص ۲۲۵، جلد ۷)

اجماع اُمت آج تک ہر دور میں ہر مسلک کے اہل علم یہ قول نقل کرتے چلے آئے ہیں کہ اُمت کا اس مسئلے پر اجماع ہے، ایسا اجماع جسے تمام فقہا اجماع قرار دیں حجت شرعی ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے سامنے چند نمایاں اہل علم کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔

امام المفسرین ابن جریر طبری فرماتے ہیں:

لان دیة المومنة لاخلاف بین الجمیع الامن لا یعد خلافاً الا انها علی النصف من دیة المومن" (ترجمہ) جن لوگوں کی بات کا اعتبار ہے وہ اس پر متفق ہیں کہ مومنہ عورت کی دیت مومن مرد کی دیت سے نصف ہے۔" (تفسیر طبری جلد ۴ ص ۱۳۷)

تفسیر طبری کے حاشیہ پر علامہ نظام الدین القمی نیشاپوری کی تفسیر غرائب القرآن چھپی ہوئی ہے۔ صفحہ مذکورہ پہ ہی علامہ نظام الدین القمی فرماتے ہیں:

"إن دیة المرأة نصف دیة الرجل باجماع المعتبرین من الصحابة" (ترجمہ) عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے اور اس پر صحابہ جن کی بات کا اعتبار ہے اجماع ہے۔

ابن جوزی فرماتے ہیں:

"دیة المرأة المسلمة علی النصف من ذالك" (ترجمہ) آزاد مسلمہ کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔" (زاد المسیر جلد ۲ ص ۱۶۴)

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں:

"ثم بالاجماع بدل نفسها علی النصف من بدل نفس

الرجل"۔ (ترجمہ) عورت کے نفس کا بدل مرد کے نفس کے بدل سے نصف ہے اور اس کی دلیل اجماع ہے"۔ (مبسوط سرخسی جلد ۲۶ ص ۷۹)

ابن رشد فرماتے ہیں:-

"اما دیة المرأة فانهم اتفقوا على انها على النصف من دية الرجل فى النفس فقط" ترجمہ: رہا عورت کی دیت کا مسئلہ تو علماء اس پر متفق ہیں کہ عورت کی دیتِ قتل مرد کی دیتِ قتل سے آدھی ہے (بدایة المجتہد جلد ۲ ص ۳۱۵)

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

"وذالك مُجمعٌ عليه" (ترجمہ) اس بات پر سب کا اجماع ہے۔

(نیل الاوطار جلد ۷ ص ۲۲۷)

عبدالقادر عودہ شہید فرماتے ہیں:

"ومن المتفق عليه ان دية المرأة على النصف من دية الرجل فى القتل" (ترجمہ) اس بات پر اجماع ہے کہ قتل کی صورت میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہوگی"۔ (التشریع الجنائی جلد ا ص ۶۶۹)

سید سابق فرماتے ہیں:

فقد روى عن عُمَر وعلى وابن مسعود وزيد بن ثابت انهم قالوا فى دية المرأة انها على النصف من دية الرجل ولم ينقل انه انكر عليهم احدٌ، فيكون اجماعاً "(ترجمہ) حضرات عمر، علی، ابن مسعود، زید بن ثابت سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ اور ان کی اس بات پر کسی سے انکار منقول نہیں۔ پس یہ بات اجماعی ہوگئی"۔ (فقہ السنۃ جلد ۲ ص ۴۷۵-۴۷۶)

علامہ عبدالرحمٰن الجزیری فرماتے ہیں:

"ودية المرأة والخُنثى المشكل الحرّان: دية كل منهما

فی نفس وجرح کنصف دیة رجل حر منهما علی دیته" (ترجمہ آزاد عورت اور آزاد مخنث کی دیت قتل اور زخم دونوں حالتوں میں آزاد مرد کی دیت سے نصف ہے"۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۵ ص ۳۷۰)

ائمہ اربعہ کا مسلک | عورت کے قتل خطا یا قتلِ شبہ عمد کی دیت کے نصف ہونے کا قول چاروں متداول فقہی مذاہب کے نزدیک اجماعی ہے۔ جراحات یعنی زخموں کی صورت میں عورت کی ایک تہائی تک مقدار دیت میں اختلاف رائے موجود ہے، لیکن قتل کی دیت کے نصف ہونے میں کسی کا اختلاف مروی نہیں ہے۔ حوالے درج ذیل ہیں۔

۱۔ حنفی مسلک

"عورت کی دیت نصف ہے اور اس پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے نصف ہونے کا فتویٰ منقول ہے اور اس پر صحابہ میں سے کسی کا اعتراض منقول نہیں ہے"۔ حوالے:-

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع از کاشانیؒ ص ۲۵۴، جلد ۷

۲۔ المبسوط از شمس الائمہ سرخسیؒ ص ۷۹، جلد ۲

۳۔ الہدایۃ از مرغینانی کتاب الدیات

۲۔ شافعی مسلک

"مجھے قدیم اور جدید دور کے اہلِ علم میں سے ایک عالم بھی ایسا معلوم نہیں ہے جس نے عورت کی نصف دیت کے بارے میں کوئی اختلاف کیا ہو اسی طرح جراحات یعنی زخموں کی دیت بھی نصف ہے۔ (یاد رہے کہ امام شافعیؒ امام مالک اور ابو حنیفہ اور اُن کے شاگردوں کے علوم کے حامل ہیں اس لیے امام شافعیؒ کا یہ قول کہ انہیں قدیم اہلِ علم میں سے بھی عورت کی نصف دیت کی مخالفت کرنے والا کوئی نہیں ملا ہے تو یہ بات خود امام مالک اور امام ابو حنیفہ

کے مسلک کی بھی توثیق کر دیتی ہے)۔ حوالہ

کتاب الاُم از امام شافعی طبع بیروت ۱۹۰۳ ص ۱۰۶، جلد ۶

یہ امام شافعی کا مسلکِ جدید ہے۔ قدیم رائے یہ تھی کہ ایک تہائی تک جراحات کی دیت برابر ہے اور اس سے زائد میں نصف ہے جیسا کہ پہلے حوالہ دیا جا چکا ہے۔

۳۔ مالکی مسلک

"امام مالکؒ اور مالکی مذہب کے دیگر نمایاں فقہا کی رائے یہ ہے کہ عورت کے قتل کی دیت تو نصف ہے، لیکن جراحات و شجات کی دیت کل دیت کے ایک تہائی تک مرد کی دیت کے برابر ہے اور ایک تہائی کے بعد زخموں کی دیت بھی نصف ہے۔"

۱۔ موطا امام مالک مع تنویر الحوالک باب دیت المرأۃ ص ۱۸۲، جلد ۲

۲۔ احکام القرآن از قاضی ابوبکر ابن العربی ص ۴۷۸، جلد ۱

۳۔ احکام القرآن از قرطبی یعنی تفسیر قرطبی ص ۳۲۵، جلد ۵

۴۔ بدایۃ المجتہد از ابن رشد مالکیؒ ص ۴۲۵-۴۲۶، جلد ۲

۴۔ حنبلی مسلک

آزاد مسلمان عورت کی دیت مسلمان آزاد مرد کی دیت کا نصف ہے۔"

یہ مختصر الخرقی کی عبارت کا ترجمہ ہے۔ اس پر ابنِ قدامہؒ لکھتے ہیں:

قال ابن المنذر و ابن عبد البر اجمع اھل العلم علی ان دیۃ المرأۃ نصف دیۃ الرجل۔ (ترجمہ) مشہور شافعی فقیہ و محدث محمد بن المُنذِر اور مشہور مالکی فقیہ و محدث ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ "عورت کی دیت کے نصف ہونے پر اہلِ علم کا اجماع ہے۔"

(المغنی شرح الخرقی از ابن قدامہ حنبلی ص ۴۰۲، جلد ۸

امام قرطبیؒ اور ابن رشدؒ نے بھی کہا ہے کہ "اس پر اہل علم کا اجماع ہے

کہ عورت کی دیت نصف ہے"۔

(تفسیر قرطبی ص ۳۲۵، جلد ۵ بدایۃ المجتہد ص ۴۲۵، جلد ۲

حنبلی مسلک کے مشہور امام اور مصلح ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب زاد المعاد میں لکھا ہے: وقد جاءت الشریعۃ بھذا التفضیل فی جعل الذکر کالانثیین فی الشھادۃ والمیراث والدیۃ

(ترجمہ) شریعت نے یہ بات طے کر دی ہے کہ شہادت، وراثت اور دیت میں دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہوں گی۔

ملاحظہ ہو زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۳، باب مدیۃ فی الذبائح۔ موصوف اپنی دوسری کتاب اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں کہ: "وقضی صلی اللہ علیہ وسلم ان عقل المرأۃ مثل عقل الرجل حتی یبلغ الثلث من دیتھا" (ذکرہ مسلم)۔ (ترجمہ) عورت کی دیت ایک تہائی تک مرد کی دیت کے برابر ہے۔ (اس سے زائد پر نصف ہوگی)۔

(اعلام الموقعین ص ۴۰۶- باب: فتاوی امام المفتنین جلد ۳، ۴)

دِیت کے بارے میں چند شبہات اور ان کا جواب

بعض محققین نے دیت کو قصاص کا بدل قرار دیا ہے۔ اس کو بنیاد بنا کر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب قصاص میں مساوات ہے تو دیت میں بھی مساوات ہونی چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دیت انسانی جان کی قیمت نہیں ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ جان اور خون تو مرد اور عورت دونوں کا یکساں ہے اور قابلِ احترام ہے، بلکہ جان تو مسلمان اور ذمی (غیر مسلم اقلیت) کی بھی یکساں طور پر واجب الاحترام ہے۔ قصاص چونکہ جان کے بدلے جان لینے کا نام ہے اس لیے عورت کی جان کے بدلے میں مرد کی جان لی جاتی ہے اور ذمی کی جان کے بدلے میں مسلمان سے بھی قصاص لیا جاتا ہے اور غلام کی جان کے بدلے میں

آزاد سے بھی قصاص لیا جاتا ہے۔ قتلِ عمد کی صورت میں تو مرد اور عورت دونوں کی وہی دیت ہوگی جس پر فریقین نے صلح کی ہو۔ کیونکہ قتل عمد کی صورت میں مقتول کے وارثوں کا اصل حق قصاص لینا ہے اور دیت اس صورت میں قصاص کا بدل ہے اور وارثوں کو معاف کرنے کا اختیار بھی دیا گیا ہے اور بدلِ صلح کے عوض میں راضی نامے کا اختیار بھی دیا گیا ہے اور بدلِ صلح وہی ہو سکتا ہے جس پر فریقین متفق ہوں لیکن قتلِ خطا اور قتلِ شبہ عمد میں سرے سے قصاص لیا جاتا ہی نہیں ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ دیت قصاص اور انسانی خون کا معاوضہ ہے۔ یہ تو پس ماندگان کی معاشی کفالت کا ایک قانونی اور اجتماعی نظام ہے اور اس نقصان کی کسی حد تک تلافی ہے جو خاندان کے کمانے والے یا بعد میں کمانے کے لائق بننے والے فرد کی موت سے اس کو پہنچتا ہے۔

عورت کی قوتِ کار اور کمانے کی صلاحیت چونکہ مرد کے مقابلے میں کم ہے اور جو کماتی ہیں یا بعض اوقات بعض عورتیں مردوں سے زیادہ بھی کماتی ہیں[1] تو وہ ان کا رضاکارانہ عمل ہے ورنہ ان پر معاشی کفالت کی ذمہ داری ڈالی نہیں گئی۔ اس لیے عورت کے قتل سے اُس کے وارثوں کو صدمہ تو یقیناً پہنچتا ہے اور گھریلو پریشانیاں بھی لاحق ہوتی ہیں لیکن کوئی خاص معاشی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے عورت کی دیت نصف مقرر کی گئی ہے۔ جو تھوڑا بہت نقصان ہوا ہے اس کی تلافی نصف دیت سے بھی ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کو میراث بھی مرد کے مقابلے میں نصف دی جاتی ہے۔ فقہا کرام نے عورت کی دیت کے نصف ہونے کی یہی حکمت اور عقلی توجیہ فرمائی ہے۔ علامہ مَرغینانی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

---

[1] قانون کا تعلق عموماً اور کثیر الوقوع حالات سے ہوتا ہے، اختصاصی سے نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک مقتول مرد بہت کم کمانے والا یا سرے سے بے روزگار یا معذور ہو۔ اسی طرح کوئی عورت اگر کماتی ہے اور ان میں سے کوئی بہت زیادہ بھی کماتی ہے تو قانون ایسی چند مستثنیٰ صورتوں کے نہیں ہے۔ پیشِ نظر تو ۹۵ فی صد عورتوں کو رکھنا چاہیے۔ (نے رص)

ولان حالها انقص من حال الرجل و منفعتها اقل (هدایة کتاب الدیات) (ترجمہ) یعنی عورتوں کی قوت کار اور اس کی منفعت مرد سے بہت کم ہے۔

علامہ سید رشید رضا مرحوم نے بھی یہی عقلی توجیہہ کی ہے۔

(تفسیر المنار ص ۳۳۵ جلد ۵)

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی عورت قتل کر دی جائے تو اس کی دیت (جو مرد کی دیت سے نصف ہو گی) کے حقدار اس کے ورثا ہوں گے یعنی اس کا خاوند یا باپ اور اس کی اولاد وغیرہ۔ اس طرح نصف دیت ملنے کا نقصان عورت کو تو نہیں اس کے ورثا کو ہوگا، جن میں مرد بھی ہو سکتے ہیں اور عورتیں بھی۔ مرد مقتول کی دیت اگر عورت سے دوگنا ہے تو اس کا فائدہ مقتول کی بیوہ کو بھی پہنچے گا۔ اس لحاظ سے غور کیا جائے تو دیت کے مسئلے پر عورتوں کی حق تلفی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جس پر اس قدر شور مچایا جائے[1]

یہ تو ان لوگوں کی غلط بیانی یا غلط فہمی کا جواب ہے جو کہتے ہیں کہ دیت جان اور خون کی قیمت کا بدل ہے۔ حالانکہ یہ بدلیت قتل عمد میں ہے شبہ عمد اور قتل خطا میں نہیں اور عمد میں بھی دیت بدل قصاص نہیں بلکہ حقِ دیت، حق قصاص کا بدل ہے ایسا نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ دیت انسانی جان کی قیمت ہے اور یہ احترامِ انسانیت کے منافی ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں دیت کے قانون سے عورت کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا بلکہ مطلق مومن کے قتل خطاء کی دیت کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن مقام غور یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۲ میں سرے سے دیت کی مقدار کا تعین نہیں کیا گیا اور زیر بحث مسئلہ عورت کی دیت کی مقدار کا ہے۔ آخر یہ کس نے کہا ہے کہ عورت کے قتل پر دیت واجب ہی نہیں ہے؟ دیت تو ہر معصوم الدم نفس کے قتل خطا یا قتلِ شبہ عمد پر واجب ہے، خواہ

---

[1] شاید ماڈرن عورت اتنی گہری سوچ بچار کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ (لنے رص)

مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا غیر مسلم شہری۔ اصل بحث عورت کی دیت کی مقدار میں ہے۔ اور اس بارے میں قرآن میں تفصیل موجود نہیں ہے بلکہ احادیث رسول میں ہے۔
بعض حضرات نے عورت اور مرد کی دیت کے مساوی ہونے کے لیے اس حدیث کو دلیل بنایا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:
فی النفس المومنة مائة من الابل" یعنی (نفس مومن کے بدلے میں سو اونٹ دیئے جائیں گے)۔
یہ حدیث بالکل صحیح اور معروف و متداول حدیث ہے لیکن اس میں دوسری حدیث رسول نے تخصیص کر دی ہے اور ایک حدیث کی تخصیص و تفسیر دوسری احادیث سے جائز ہے جب دوسری حدیث اور اجماع صحابہ میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف بتائی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ سو اونٹوں والی حدیث میں رسول اللہ کی مراد مرد کی دیت بیان کرنا تھی۔ قرآن و حدیث کا علم رکھنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ کسی آیت یا حدیث میں صیغہ عام یا مطلق و غیر مقید الفاظ میں کوئی قانون بیان ہوا ہے اور دوسری آیت یا احادیث نے اس میں تخصیص کر دی ہے مثلاً سورۃ النور میں زانی اور زانیہ کی سزا سو کوڑے مقرر کی گئی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلم قرآن اور اللہ کے مستند اور واجب الاطاعت نمائندے کی حیثیت سے امت کو بتا دیا ہے کہ اس آیت میں "غیر محصن" زانی مراد ہے۔
بعض حضرات نے امام طحاوی رحمۃ اللہ، ابوالولید باجی رحمۃ اللہ اور شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ یہ حضرات بھی مرد اور عورت کی مساوات کے قائل تھے حالانکہ انہوں نے المسلمون تتكافؤ دماءهم کی تشریح کرتے ہوئے اس کے مضمون کی وضاحت کی ہے اور ان کی مراد دیت کے وجوب و لزوم میں مساوات ہے۔ مقدار دیت میں مساوات مراد نہیں ہے اور نفس دیت میں برابری تو خود قرآن کی آیت سے ثابت ہے۔ آج تک کسی اہل علم نے ان کا مسلک یہ بیان نہیں کیا ہے کہ ان کے نزدیک مرد اور عورت کی دیت قتل مساوی ہے، نہ ہی کسی جگہ سے یہ تصریح پیش کی جا سکتی ہے کہ ان

کا مسلک یہ ہے۔ اس کے برعکس تصریحات موجود ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک مرد اور عورت کی دیت میں مساوات نہیں بلکہ عورت کی دیت نصف ہے۔ خدا جانے کہ ان لوگوں کے اندر یا تو کلام فہمی اور کتاب فہمی کی استعداد موجود نہیں ہے یا پھر ان کو تحریفِ کلام کا تجربہ اور مہارت حاصل ہے جو حق پرستوں کی شان نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ابن علیۃ اور الاصم رح کے قول کو بھی اچھالا جا رہا ہے کہ یہ دونوں مقدار دیت میں مرد اور عورت کے مساوی ہونے کے قائل تھے۔

قطع نظر اس کے کہ ان حضرات کا یہ قول کسی مستند کتاب میں صحیح اسناد کے ساتھ نقل بھی نہیں ہوا۔ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ نے حکی غیرہما والے غیر ابن المنذر وابن عبدالبر کے لفظ کے ساتھ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ شاذ اور غیر منقول د غیر متداول قول ہے، جو اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور سنتِ رسول ؐ کے مخالف ہے۔ (المغنی ص ۴۰۲، جلد ۸)

صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعین اور فقہاء اسلام میں سے سوائے ابن علیہ اور الاصم کے ہمیں کافی تلاش و جستجو کے باوجود کسی کا بھی یہ قول نہیں مل سکا کہ عورت کی دیت مرد کے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے چودہ صد سالہ تعامل و تواتر کے مقابلے میں اس قسم کے شاذ اقوال تلاش کرنا اور پھر ان کو دلیل بنانا مریضِ ذہن کی علامت ہے۔

پھر ذرا یہ بھی معلوم کر لیا جائے کہ ان دو حضرات کی حیثیت کیا ہے؟ تاکہ مسئلہ میں کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔ ۱۔ ابوبکر اصم ۲۔ اسماعیل ابن عُلَیّہ۔ ان دو میں سے یہ اصم جس کا اصل نام عبدالرحمٰن بن کیسان ہے اس کے متعلق لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۴۲۷ میں لکھا ہے کہ وہ معتزلی تھے اور اس کا ذکر معتزلہ کے طبقات میں کیا جا رہا ہے اور اس نے جو تفسیر لکھی تھی اس کے بارے میں کہا ہے کہ تفسیر عجیب، اور اس کے شاگردوں میں اسماعیل بن علیہ کا بیٹا ابراہیم تھا جو جہمی ہے اور خلقِ قرآن کا قائل ہے۔ امام شافعی رح نے اس کے بارے میں یہ قول لکھا ہے: "ھو ضال اَضَلَّ الناسَ"۔ اور اس کے اقوال اہل سنت کے ہاں متروک ہیں اور لسان المیزان میں اس کے بارے میں بہت سے اقوال ایسے منقول ہیں کہ وہ ایک بدعقیدہ شخص تھا اور غالباً اس شاگرد نے اس قسم کے اثرات اسی اصم سے

لیے تھے، اس لیے ابوبکر اصم کا کوئی قول پوری امت کے اجماع کے خلاف بالکل قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

۲۔ شخص اسماعیل بن علیہ اگرچہ قابلِ اعتماد رواۃ حدیث میں سے ہیں لیکن اس کو فقہا مجتہدین میں شمار نہیں کیا گیا۔ البدایہ والنہایہ میں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے روایت کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن علیہ کے نام سے جو یہ روایت دیت کی منقول ہے کہ وہ پوری دیت کے قائل تھے تو وہ اسماعیل بن علیہ نہیں ہوگا بلکہ اس کا بیٹا ابراہیم ہوگا۔ کیونکہ اس کو بھی ابن عُلَیَّہ کہا جاتا ہے اور اس کے بارے میں لیسان المیزان کے حوالے سے ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ ایک بدعقیدہ شخص تھا اور علماء مجتہدین کے ہاں بالکل ناقابلِ اعتبار ہے۔ ہم یہ جو کہتے ہیں کہ ابن علیہ سے مراد اسماعیل بن علیہ نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے استاد ہیں اور امام شافعی کتاب الام میں یوں فرماتے ہیں "کہ مجھے اہل علم میں سے کسی کے بارے میں یہ معلوم نہیں، نہ پہلے علماء میں سے اور نہ بعد کے علماء میں سے کہ اُس نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہو اور اگر ان کے اُستاد اسماعیل بن علیہ اس کے قائل ہوتے تو وہ ایسے جامع ترد یدی الفاظ استعمال نہ کرتے۔ خواہ ان کی ذاتی رائے نہ ہو پھر بھی وہ یہ تو لکھتے کہ اسماعیل بن علیہ کا قول دوسرا ہے۔ پس اصل صورتِ حال یہ ہے کہ چاروں ائمہ مجتہدین شیعہ حضرات اور زیدی وغیرہ سب کا بالاتفاق، بالاجماع فیصلہ یہ ہے کہ عورت کی دیت نصف ہے۔ اور جو لوگ اس حدیث کے راویوں پر کچھ جرح کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے تو اصولاً یہ بات بالکل غلط ہے، کیونکہ یہ مسئلہ مسلّم ہے کہ جس روایت سے ائمہ مجتہدین استدلال کرتے ہیں اور حکم ثابت کرتے ہیں، وہ بہر حال قوی قرار دیا جاتا ہے۔ کسی روایت کو ائمہ کا مدار استدلال بنانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ائمہ نے اس کی صحت کی توثیق کی ہے۔ اجماع کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایک روایت جو فی نفسہٖ خبرِ واحد ہونے کی حیثیت سے اصولِ حدیث کے مطابق ظنی ہوتی ہے، جب اس کے مضمون پر اجماع[۱] ہو جائے تو اجماع اس

---

[۱] کیونکہ دوسرے کئی عوامل وحقائق مثلاً اس کے مطابق قرون اولیٰ (باقی بر صفحہ آئندہ)

کو بالکل قطعی بنا دیتا ہے۔
اہلِ علم ان ساری باتوں کو جانتے ہیں مگر مصیبت یہ ہے کہ واسطہ ان لوگوں سے پڑا ہے کہ جو قرآن کی کوئی آیت صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے، حدیث اور اصولِ حدیث، فقہ اور اصول فقہ تو بہت دُور کی باتیں ہیں۔ مگر اس جہالت کے باوجود ان کا زعم یہ ہے کہ ہم تو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے بڑھ کر قرآن و حدیث کو جاننے والے مجتہدین ہیں، اور آپ دیکھیں کہ خالد اسحاق صاحب کے مضمون میں اسی قسم کا اجتہاد ہے اور اس نے اس اجماع کو بھی اپنے خیال میں ناقابلِ اعتبار قرار دے دیا ہے۔
یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عورت کی نصف دیت کا ذکر حدیث کی معروف کتابوں میں نہیں ہے۔ یہ اعتراض اُٹھانے والے وہ لوگ ہیں جو بالعموم حدیث کے علم سے کورے ہیں اور محدثین کے کام اور اُن کی اصطلاحات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہم اُوپر جو حوالے نقل کر چکے ہیں کیا وہ معروف کتبِ حدیث نہیں ہیں۔ ان میں نسائی صحاح ستہ میں شمار ہوتی ہے۔ موطا امام مالک بھی اپنی روایات کے مرتبے کے لحاظ سے صحاح ستہ میں شمار کی گئی ہے۔ بلکہ یہ وہ کتاب ہے، جسے خلیفہ ابوجعفر منصور پوری اسلامی سلطنت کے قانون کے طور پر نافذ کرنا چاہتا تھا لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے مسالک کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اس کام سے روک دیا۔
بیہقی کی روایت کے بعض طرق کو اصطلاحاً ضعیف کہنے سے تمام طرق پر ضعف کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ جہاں تک نسائی کی روایت کا تعلق ہے تو وہ سند و متن دونوں لحاظ سے صحیح قرار دی گئی ہے۔ امام شوکانی لکھتے ہیں، صححہ ابن خزیمۃ (یعنی مشہور ناقد حدیث

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)
اور دَورِ خلافت میں سنتِ مسلسل کا عملاً جاری ہونا یا اصول استنباطِ احکام کے لیے نہایت جامع چار متداول فقیہوں کے ائمہ اوّلین سے لے کر آخری علماء تک اس پر متفق رہنا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی خبرِ واحد کو ظنیت کے مقام سے نکال کر حتمیت کے مقام پر لے آتی ہیں۔ (ن ۔ ص)

ابن خزیمہ نے اُسے صحیح قرار دیا ہے) (نیل الاوطار جلد ۷ ص ۲۲۵) - اسی طرح مصری عالم سید سابق نے بھی اپنی کتاب فقہ السنہ میں ابن خزیمہ کی تصحیح کا ذکر کیا ہے- (جلد ۲ ص ۴۷۶) -

اس بات کو بھی بڑے زور وشور سے اچھالا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی بھی کچھ روایات ایسی ہیں جن میں عورت کی دیت مرد کی دیت کے ساتھ برابر ہے- اس کا جواب بھی ان صریح عبارات میں موجود ہے جو اس سلسلہ میں پیش کی گئی ہیں، بالخصوص امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ میرے علم میں قدیم اہل علم میں سے کوئی بھی عورت کی دیت کی مرد کی دیت کے ساتھ برابری کا قائل نہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور جملہ فقہاء جو امام شافعیؒ کے دور اور ان سے پہلے کے ادوار میں گذرے ہیں، ان کے نزدیک عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے-

ایک اور بات جسے وزنی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ یہ اجماع سکوتی ہے' حالانکہ ان لوگوں کو اگر اصول فقہ کا ذرہ بھی علم ہوتا تو انہیں معلوم ہوتا کہ اجماع سکوتی کو امام شافعی اجماع کا نام نہیں دیتے اور بطور حجت نہیں پیش کرتے، اور امام شافعیؒ ہی وہ شخصیت ہیں جو اجماع سکوتی کے مخالفین میں پیش پیش ہیں- لیکن یہاں امام شافعی عورت کی دیت پر اجماع کا ذکر کرتے ہیں، اور حجت کے طور پر پیش کرتے ہیں- یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس اجماع کی حیثیت اجماعِ سکوتی کی نہیں ہے، بلکہ حقیقی اجماع کی ہے- پھر جب اجماعِ سکوتی کے ساتھ تعامل اُمت شامل ہو جائے تو اس کی حجیت میں کسی کو اختلاف نہیں ہوتا-

ہم ان مدعیانِ اجتہاد سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے، بلکہ کھلا ہے- ظاہر ہے کہ علمی تحقیق اور غور و فکر کا دروازہ بند نہیں کیا جا سکتا- لیکن اجتہاد ان جدید مسائل میں ہونا چاہیے جن کے بارے میں اجماع موجود نہ ہو اور وہ منصوص بھی نہ ہوں یا ائمہ فقہ کے درمیان اختلافی مسائل میں کسی رائے کو ترجیح دینے کا مسئلہ ہو تو اجتہاد کے ذریعے یہ کام کیا جا سکتا ہے، لیکن عورت کی دیت کا نصف ہونا تو احادیث

آثار اور اجماع سے ثابت ہے، اور چودہ سو سال تک اُمت کا اس پر عمل چلا آرہا ہے۔ اس متفق علیہ اور واضح مسئلے کے خلاف خدا اور رسول پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص نہ کوئی قانون بنا سکتا ہے اور نہ ایسی قانون سازی کی حمایت کر سکتا ہے، اگر کوئی فرد یا ادارہ یا گروہ ایسا کرے تو ظاہر ہے کہ وہ عنداللہ مجرم ہے۔

آخر میں دیت کمیٹی، ماضی کے بعض فقہا اور بعض جدید علمائے اسلام کے خیالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ رائے دیتی ہے کہ جہاں تک شرعی حیثیت سے عورت کی دیت کا مسئلہ ہے وہ تو نصف ہوگی، اس میں کسی قسم کا اضافہ و ترمیم کمیٹی کی نظر میں شریعتِ اسلامی میں تحریف کے مترادف ہوگا، البتہ جدید حالات وضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے کمیٹی کے نزدیک اس بارے میں کوئی حرج نہیں کہ عورت کے قتل خطا اور شبہ عمد کے معاملے پر غور کرتے ہوئے قاضی خاص خاص مقدمات اور ان کے احوال کے لحاظ سے اگر مناسب سمجھے تو قتل کے مرتکب کو نصف دیت کے ساتھ ساتھ مزید تعزیری سزا بھی دے سکتا ہے اور یہ سزا مالی بھی ہو سکتی ہے اور بدنی بھی۔

اب لیجیے، اسی مغالطہ انگیزی کو کہ امام طحاوی، ابوالولید باجی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ وغیرہم کی عبارات سے ایک ایک لفظ لے کر اس سے جو بات نکالنے کی کوشش کی گئی ہے وہ ان کی مراد ہے نہ مسلک۔ اس سلسلہ میں ہم ان عبارات کا تجزیہ کرتے ہیں۔

مشکل الآثار کی عبارت

فتنا ملنا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

المومنون تتکافؤ دمائھم فوجدنا اھل العلم جمیعاً لایختلفون فی تاویل ذالک انہ علی التساوی فی القصاص والدیات وان ذالک ینفی ان یکون شریف علی وضیع فضل فی ذالک وان ذالک کان رداً علی اھل الجاھلیۃ فی ترکھم قتل النفس الذی یقتلہ الوضیع وفی ذالک ماقد عقلنا ان التساوی جری ذالک کالرجال ان الرجل یقتل بالمراۃ کما یقتل المراۃ بالرجل۔" (مشکل الآثار - جلد ۲ - ص ۹۰-

(ترجمہ) ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "المومنون تتکافو!

دماؤھم" مومنین کے خون آپس میں برابر ہیں" میں غور کیا اور تمام اہل علم کو اس کی اسی تفسیر پر متفق پایا کہ یہ قصاص و دیت میں برابری کے لیے ہے، یہ بات اس بات کی نفی کرتی ہے کہ اونچ کو نیچ پر فضیلت ملے اسی میں اہل جاہلیت کی تردید ہے کہ وہ اونچے کو نیچے کے بدلے میں قتل نہ کرتے تھے۔ اس میں سے ہم نے یہ بھی سمجھا کہ عورت بھی اس سلسلے میں مرد کی طرح ہے۔ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا جس طرح عورت کو مرد کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے۔"

آپ اس ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں اور اس کے بعد اندازہ کریں کہ صرف ایک جملے " یہ قصاص و دیت میں برابری کے لیے ہے" سے یہ مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے[1] کہ عورت اور مرد کی دیت کی مقدار میں برابری ہے۔ اگر یہ مطلب درست ہے تو کیا ان الفاظ کا اس کے ساتھ کوئی جوڑ ہے کہ" تمام اہل علم کو اس کی تفسیر پر متفق پایا"۔ ایسی صورت میں کیا ضروری نہ تھا کہ امام طحاوی ان لوگوں کی تردید کرتے جو صدر اوّل سے اس دور تک نقل کرتے چلے آئے ہیں کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ پھر یہ مطلب اخذ کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ امام طحاوی اس جملے کے بعد خود تصریح کرتے ہیں کہ یہ اس چیز کی نفی ہے کہ اونچ کو نیچ پر فضیلت ملے اور اس میں اہل جاہلیت کی تردید ہے۔ بعد ازاں واضح طور پر تصریح کر دی کہ جاہلیت میں عورت کو مرد کے بدلے میں قتل کیا جاتا تھا۔ اور مرد کو عورت کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا تھا اور اس میں اس نظریہ کی تردید ہے۔[2]

اگر عورت کی دیت بھی مرد کی دیت کے ساتھ برابر ہوتی تو امام طحاوی ان الفاظ پر اکتفا نہ کرتے:

ان النساء فی جری ذالك کالرجال ان الرجل یقتل بالمراة کما یقتل المراة بالرجل۔ "عورتیں اس سلسلہ میں مردوں کی طرح ہیں۔ مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ جس طرح عورت کو مرد کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے۔" بلکہ اس کے بعد یہ بھی بیان کرتے کہ:

---

[1] ذرا فرمایئے کہ مقدار دیت پر متفق ہونے والے اہلِ علم کون سے ہیں؟ (ن ۔ ص)

[2] کیا یہاں بات صاف نہیں ہو گئی؟ (ن ۔ ص)

"دیة المراة کدیة الرجل لا تتنصف" عورت کی دیت مرد کی دیت کی طرح ہے، آدھی نہیں ہے۔

سادہ الفاظ میں حدیث کا مفہوم جسے امام طحاوی بیان کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ قصاص کے قانون میں دورِ جاہلیت کے امتیازات کی اس حدیث سے نفی کی گئی ہے، دورِ جاہلیت میں عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں قصاص میں قتل کیا جاتا تھا، لیکن مردوں سے قصاص نہیں لیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس سلسلے میں ایک ایسا ضابطہ بنا دیا ہے جس میں چھوٹے، بڑے، طاقتور اور کمزور، مرد اور عورت میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ قتل کی ایسی صورت جس میں عورت سے قصاص لیا جائے گا۔ اس صورت میں مرد سے بھی عورت کے قتل کرنے پر قصاص لیا جائے گا۔ اور قتل کی ایسی صورت جس میں مرد سے دیت لی جائے گی عورت قاتلہ ہو تو اس سے بھی دیت لی جائے گی۔ ایسا نہیں ہوگا کہ مرد سے تو دیت لی جائے اور عورت کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔ رہی یہ بات کہ مرد سے عورت کی دیت کتنی دلوائی جائے گی تو یہ چیز زیر بحث ہی نہیں ہے۔ نہ متذکرہ حدیث میں اور نہ امام طحاوی کے کلام میں۔

ابوالولید باجی کی عبارت

ابوالولید باجی کی عبارت میں کاتب سے النصف متن کے الفاظ رہ گئے ہیں[1] جس سے ایک تو یہ بات نکالی گئی کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت یہ ہے کہ مرد اور عورت کی دیت برابر ہیں۔ اور دوسری چیز یہ نکالی گئی کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی بھی ایک روایت یہ ہے، لیکن اس پر تنبہ تو اسی شخص کو ہو سکتا ہے، جو مسئلے سے واقف ہو۔ اس نے مختلف مصادر سے رجوع کر کے معلوم کیا ہو کہ یہ بات کہاں کہاں اور کس کس طرح بیان کی گئی ہے اور دوسرے قرائن کو بھی سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو:۔

"قوله رضی اللہ عنه تعاقل المراة الرجل الی ثلث الدیة اصبعها

[1] اغلاط اندراج یا سہو کتابت سے استفادہ کرنا حدورجہ کی کمزوری ہے۔ مگر آفرین ہے اہل علم کے لیے کہ انہوں نے ایسے مقامات کو بھی دیکھا اور ان کی کمزوری پر پہلے ہی گرفت کر لی۔

کالاصبعه یرید ان ما دون ثلث الدیة عقلها فیه کعقل الرجل و
هو معنی معاقلتها له حتی اذا بلغت فی عقل ما جنی علیها ثلث
الدیة کان عقلها نصف عقل الرجل وبهذا قال من ذکره من التابعین
وهو قول زید بن ثابت وابن عباس وما روی عن ابن مسعود تساویهما
فی الموضحة واختلف عن عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب رضی
عنهما باسناد ضعیف انها علی دیة الرجل فی القلیل والکثیر وبه
قال ابوحنیفة والشافعی وروی عنهما مثل قولنا (المنتقی ص۸۶/۷)

"امام مالکؒ کا قول ہے کہ عورت ایک تہائی دیت تک مرد کے برابر ہوگی، اس کی انگلی مرد کی انگلی کی طرح ہوگی اس سے مراد یہ ہے کہ ایک تہائی دیت سے کم میں عورت کی دیت مرد کی دیت کے ساتھ برابر ہوگی۔ عورت کی مرد کے ساتھ برابری کا یہی معنی ہے۔ جب اس پر کی گئی زیادتی ایک تہائی دیت یا زیادہ کی ہوگی تو پھر اس کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہو جائے گی۔ جن تابعین کا امام مالک نے ذکر کیا ہے ان کا مذہب یہی ہے اور زید بن ثابت ابن عباس کا بھی اور ابن مسعود سے روایت کی گئی ہے کہ وہ زخم جو "موضحہ" ہو اس میں مرد اور عورت میں مساوات ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ایک ضعیف سند کے ساتھ یہ اختلافی روایت بھی ہے کہ قلیل وکثیر میں اس کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا مسلک ہے اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ہمارے مسلک کے مطابق روایت بھی ہے۔"

"علی النصف من" "مرد کی دیت سے نصف" کے الفاظ چھوٹ جانے کے دلائل یہ:

۱۔ ابوالولید باجی نے اسے امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعی کی ایک روایت نہیں بلکہ مسلک قرار دیا ہے اور یہ بات معلوم اور ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک نصف دیت ہے لہٰذا حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی ایک روایت نصف دیت کی ہوگی، نہ کہ پوری دیت کی، ورنہ "به قال ابوحنیفہ والشافعی" کہنا صحیح نہ ہوگا۔

۲۔ وروی عنهما مثل قولنا "حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ہمارے مسلک کے

مثل روایت بھی کی گئی ہے"۔ اس بات کا قرینہ ہے کہ دوسری روایت حنفی اور شافعی مسلک کے مطابق ہوگی۔

۳۔ اگر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق مرد اور عورت کی دیت میں برابری ہوتی تو پھر "فی القلیل والکثیر" کے الفاظ نہ ہوتے، کیونکہ قلیل وکثیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ کہ ثلث تک مساوی اور ثلث کے بعد نصف ہے اور دوسرا یہ کہ قلیل وکثیر میں نصف ہے۔ اور قلیل وکثیر کا مسئلہ زخموں کی دیت میں آتا ہے، دیت قتل میں کثیر وقلیل کا تصور ایک عجوبے سے کم نہیں ہے۔ ایک عام آدمی بھی سمجھتا ہے کہ زخم قلیل وکثیر ہوتا ہے لیکن قتل قلیل وکثیر نہیں ہوتا۔[۱]

۴۔ جس طرح ابوالولید باجی نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے دو روایتیں نقل کی ہیں، دوسرے مصادر میں بھی یہ دو روایتیں نقل کی گئی ہیں۔

"واخرج البیہقی بسندہ الی الشیبانی وابن ابی لیلیٰ وزکریا عن الشعبی ان علیا کان یقول جراحات النساء علی النصف من دیۃ الرجال فیما قل وکثر

ثم اخرج بسندہ الی حماد عن ابراھیم عن عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب انھما قالا عقل المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل فی النفس وفیما دونھا" (ص ۹۶/۸)

(ترجمہ) شعبی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ کہا کرتے تھے زخم تھوڑے ہوں یا زیادہ ان میں عورتوں کی دیت مردوں کی دیت سے آدھی ہے ...... ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے کہا عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے، چاہے قتل کی دیت ہو یا زخم کی۔"

بیہقی میں دوسرا قول یوں نقل کیا گیا ہے "وجراحۃ الرجال والنساء سواء الی الثلث ص ۹۷ جلد ۷) "مردوں اور عورتوں کا زخم ایک تہائی تک برابر ہے"۔

۵۔ اگر مطلقاً عورت اور مرد کی دیت میں مساوات بیان کرنا ہوتی تو اس کے لیے "علیٰ" کا لفظ نہ آتا بلکہ "مثل" کا لفظ آتا اور عبارت یوں ہوتی "دیۃ المرأۃ مثل دیۃ الرجل" ان وجوہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ متذکرہ عبارت میں " النصف من " کا لفظ کاتب سے رہ گیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت یہ عبارت دراصل مشکل الآثار کی عبارت کا ترجمہ ہے۔ اس میں بھی اسی بات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جس صورت میں عورت کو قصاصاً قتل کیا جائے گا اور جس صورت میں مرد سے دیت لی جائے گی اسی صورت میں عورت سے بھی دیت لی جائے گی، نہ یہ کہ جاہلیت کی طرح عورت سے دیت وصول کرنے کی بجائے اُسے قتل کر دیا جائے۔

اس سلسلے میں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ دورِ جاہلیت میں قتل کی عمد، شبہ عمد اور خطا میں تقسیم نہ تھی، نہ ہی شبہ عمد اور خطا کی صورت میں دیت کا قانون جاری تھا، تاکہ یہ کہا جائے کہ دورِ جاہلیت میں مرد کی پوری دیت لی جاتی تھی اور عورت کی آدھی۔ اور ظاہر ہے کہ "المومنون تتکافوا دمائهم" میں مشکل الآثار کی عبارت، ابوالولید باجی کی عبارت اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت کے مطابق جاہلی نظام کی تردید تھی۔ جب دورِ جاہلیت میں ایک چیز سرے سے موجود ہی نہ تھی تو "المومنون تتکافوا دمائهم" سے اس کی تردید کیسے ہو سکتی ہے۔

شاہ ولی اللہ یہ جھوٹ بھی گھڑا جاتا ہے کہ شاہ ولی اللہ بھی مرد اور عورت کی دیت میں برابری کے قائل ہیں۔ حالانکہ شاہ صاحب نے بھی دوسرے علماء کی طرح عورت کے زخموں کی دیت میں دو مسلک نقل کیے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"قلت علیه مالك وقال اکثر اهل العلم دية المرأة نصف دية الرجل ودية اطراف المرأة وجراحاتها على النصف من دية الرجل" جلد ۲ ص ۲۷

"میں کہتا ہوں امام مالکؒ کا مسلک یہی ہے (ایک تہائی تک برابر اور بعد میں تنصیف) اور اکثر اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے اور عورت کے اعضا اور زخموں کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے"۔

اُمید ہے کہ ان گذارشات کی روشنی میں صاف دل اور راست بین اصحاب مغالطوں اور غلط فہمیوں کے چکر میں پھنسنے کے بجائے اصل حقیقت کو نہایت واضح طور پر پا لیں گے۔

عورت کی دیت کا مسئلہ، عالمِ عرب کے نامور علما کی نظر میں

یہ زیر بحث مسئلہ سارے عالمِ عرب میں بحث و نظر کا موضوع بنا ہے اور بہت سے ممالک میں کمیٹی کی گذارشات کے مطابق قوانین بنے ہیں۔ جدید علما کی کتابوں میں بھی اس مسئلے پر یہی رائے دی گئی ہے۔ دو ایک اختلافی رائیں جو سامنے آئی ہیں وہ انہی غلط فہمیوں پر مبنی ہیں جنھوں نے یہاں کے چند سوچنے والوں پر اثر ڈالا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کمیٹی اس سلسلے میں بھی اپنی معلومات پیش کر دے تاکہ ذی شعور اصحاب کو مسئلے کے سمجھنے میں مدد ملے۔ ان گذارشات کو لانا اس لیے ضروری تھا کہ دوسری طرح سے خلط مبحث کیا جا سکتا تھا۔

اِس وقت پورے عالمِ اسلام میں مسلم عوام کی طرف سے اسلامی قانون کے نفاذ کا مطالبہ اُٹھا ہوا ہے۔ مسلمانوں کا حکمران طبقہ گو اکثر و بیشتر ممالک میں اس مطالبے کو قبول کرنے سے گریز کر رہا ہے، لیکن زود یا بدیر ان حکمرانوں کو مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی خواہش کے آگے جھکنا پڑے گا۔ اسلامی قانون کیا ہے، اِس سلسلے میں اُمت کے موجودہ اہلِ دانش اس بات پر تو متفق ہیں کہ کتاب و سنت، اجماع صحابہ اور تعامل اُمت پر مبنی احکام کسی ترمیم و تغیر کے بغیر اختیار کیے جائیں، رہے وہ معاملات جن کے بارے میں مذکورہ ذرائع سے کوئی رہنمائی حاصل نہیں ہوتی، اجتہاد کے ساتھ طے کیے جا سکتے ہیں۔ البتہ اسلامی قانون کے اس عوامی مطالبے سے پریشان ہو کر کچھ لوگ جن میں حکمرانوں کے دربار سے تعلق رکھنے والے افراد، مغرب کے ذہنی غلام اور وہ لوگ جو خواہش نفس کے ہاتھوں مغلوب ہیں، اسلامی احکام کی ایسی تاویل و تشریح شروع کر دیتے ہیں جس کے بعد اسلام اور مغربیت میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ ان لوگوں کی تعداد نہایت محدود ہے اور انہیں مسلم عوام کا اعتماد بھی حاصل نہیں ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم عورت کی دیت کے مسئلے پر عالمِ عرب کے چند نامور اہلِ علم کے خیالات پیش کرتے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ عرب دنیا کے اہلِ علم و دانش اس مسئلے پر کیا رائے رکھتے ہیں

عالمِ اسلام میں " اسلام کے فوجداری[1] قانون " پر نہایت عالمانہ انداز میں جدید ذہن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سب سے پہلے جس نے قلم اٹھایا ہے وہ مصر کے استاذ عبدالقادر عودہ رحمۃ اللہ ہیں ۔ ان کی کتاب " التشریع الجنائی الاسلامی " (اسلام کا فوجداری قانون اور انسانی قانون سے اس کا موازنہ) نے عالمِ اسلام کے طبقے سے غیر معمولی خراج تحسین حاصل کیا ہے اور آج جس جس ملک میں بھی اسلامی قانون کی تدوینِ جدید کی تحریک چل رہی ہے ۔ یہ کتاب مآخذ اور حوالہ کی حیثیت رکھتی ہے ۔ استاذ عبدالقادر عودہ جدید تعلیم یافتہ انسان تھے ۔ ایک مدت تک وہ مصر کی کونسل آف سٹیٹ کے جج رہے ہیں ان کے نہایت مخصوص اور بے لاگ عدالتی فیصلوں کی دھوم رہی ہے ۔ ۱۹۵۴ء میں جمال عبدالناصر نے انہیں پھانسی دے دی تھی کیونکہ وہ فوجی حکومت کے بجائے اسلام اور جمہوریت کے علمبردار تھے ۔ دیت کے موضوع پر موصوف التشریع الجنائی جلد دوم ص ۱۸۲ پر مفصل کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> فقہائے امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قتل میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہوگی ۔ ان کی دلیل وہ تحریر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو لکھ کر دی تھی کہ " عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی " ۔ اس مقدار پر تمام صحابہ کا اجماع ہے ۔ تین خلفائے راشدین حضرت عمرؓ ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اور صحابہ کبار میں سے حضرت عبداللہ بن عمر ، حضرت عبداللہ بن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہوگی ۔ اور کوئی ایک بھی ایسا قول منقول نہیں ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہو کہ کسی صحابی نے اس بارے میں اختلاف کیا ہو ، لہٰذا یہ قول اجماع شامل ہوگا ۔ نیز جس طرح عورت وراثت و شہادت میں مرد کے مقابلے میں نصف نصاب کی حقدار ہوتی ہے اسی طرح اس کی دیت بھی آدھی ہوگی " ۔

[1] اس کتاب کا اردو ترجمہ اسلامی پبلیکیشنز لاہور سے شائع ہو چکا ہے (مدیر)

عبدالقادر عودہ شہید نے اس مسئلے پر جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہیں:-
بدائع الصنائع جلد ۷ ص ۲۵۴ - المُغنی جلد ۹ ص ۵۳۱ - المہذّب جلد ۲ ص ۲۱۱ -
شرح الدردیر جلد ۴ ص ۲۳۸ -

مصر کے ایک اور محقق احمد فتحی بہنسی بھی اسلام کے فوجداری قانون پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مثلاً "الجرائم فی الفقہ الاسلامی" (اسلامی قانون میں جرائم کی تعریف اور سزا)، "نظریات فی الفقہ الجنائی الاسلامی" (اسلام میں فوجداری قانون کے نظریات واصول) اور "القصاص فی الفقہ الاسلامی" (اسلامی شریعت میں قصاص کے احکام) موصوف نے بھی اپنی تمام تحقیقات میں احادیث و آثار اور فقہائے اسلام کے اقوال و آراء کو ہر دلیل کی بنیاد بنایا ہے۔

اس وقت عالم عرب میں اسلامی قانون پر جسے سند کا درجہ حاصل ہے، وہ اردن کے نامور فقیہ احمد الحصری ہیں۔ یہ ازہر یونیورسٹی، اردن یونیورسٹی اور امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض میں اسلامی فقہ اور غیر اسلامی قوانین کے تقابلی مطالعہ کے پروفیسر ہیں ان کی دو کتابوں کو بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ ایک "نظام القضاء" (اسلامی عدلیہ کا نظام اور حدود کار) اور دوسری: القصاص والدیات والعصیان المسلح فی الفقہ الاسلامی" (اسلامی فقہ میں قصاص، دیت اور مسلح بغاوت کے احکام)۔ اسی مؤخر الذکر کتاب میں انہوں نے عورت کی دیت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ درج ذیل ہے:

"حنابلہ کا قول ہے کہ آزاد مسلمان عورت کی دیت آزاد مسلمان مرد کی دیت کا نصف ہو گی۔ ابن المُنذِر اور ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اہل علم کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔"

دلیل: مذکورہ قول کی دلیل میں وہ عمرو بن حزم کے روایت کردہ اس خط کو پیش کرتے ہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو لکھا تھا۔ اس خط میں بیان کیا گیا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہو گی۔ نیز انہوں نے اپنی میں صحابہ کرامؓ کے اس اجماع کو بھی پیش کیا ہے کہ آزاد مسلمان عورت کی دیت آزاد

مسلمان مرد کی دیت کا نصف ہے۔

مخالفانہ رائے۔ ایک شاذ قول مخالفانہ رائے میں پیش کیا جاتا ہے، جو سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی خلاف ہے اور اجماع صحابہؓ کے بھی منافی ہے۔ یہ قول ابن عُلیّہ اور اصمؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں کہتے ہیں کہ آزاد مسلمان عورت کی دیت آزاد مسلمان مرد کی دیت کے برابر ہوگی۔ یہ مخالفانہ رائے رکھنے والے دلیل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو پیش کرتے ہیں کہ: "فی النفس المومنة مائة من الابل" (مومن جان کی دیت ایک سو اونٹ ہے)۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول عمومی حکم رکھتا ہے۔ اور اس میں یہ وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ سو اونٹ دیت مومن مرد کی ہے یا مومن عورت کی۔ لہٰذا یہ دونوں (مرد اور عورت) دیت میں مساوی ہو جاتے ہیں۔

محاکمہ: ابن علیہ اور اصم کی رائے ایک شاذ قول کی حیثیت رکھتی تھی۔ (یعنی پوری اُمت کے مقابلے میں یہ ایک منفرد قول ہے)۔ یہ قول سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے۔ عمرو بن حزم کے جس خط کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، خود اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد درج ہے کہ: "دیة المراة علی النصف من دیة الرجل" (عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی)۔ آنحضورؐ کا یہ دوسرا قول مذکورہ حکم عمومی کو خاص کر دیتا ہے۔ یہ دونوں عمرو بن حزم والے خط میں بیان کیے گئے ہیں۔ گویا دوسرا قول پہلے قول کی تشریح اور اس کے عمومی مفہوم کی تخصیص کر دیتا ہے۔" (ص ۷۱۰)

سعودی عرب میں قصاص و دیت کا قانون ایک عرصے سے جاری و ساری ہے۔ حالات کے بدل جانے سے دیت کی مقدار میں تبدیلی کا مسئلہ وہاں بار بار پیش آتا رہا ہے۔ ۱۳۵۳ھ میں سعودی عرب کی مجلس نمائندگان (جسے پہلے مجلس الوکلا کہا جاتا تھا اور اب اس کا نام مجلس شوریٰ ہے) کی طرف سے پہلے دیت کی مقدار ایک ہزار ریال مقرر کی گئی

تھی۔ ۱۳۷۴ھ میں اس میں مزید اضافہ کیا گیا اور اُس وقت کے رئیس القضاء (چیف جج) کے فیصلے کے موجب قتل خطا میں ۱۶ ہزار ریال اور قتل شبہ عمد میں ۱۸ ہزار ریال مقرر کی گئی۔ ۱۳۹۰ھ میں یعنی آج سے چودہ سال پہلے دیت کا مسئلہ از سرِ نو زیر بحث آیا۔ اسے طے کرنے کے لیے سعودی عرب کی سپریم جوڈیشری کونسل کا اجلاس ہوا جس میں کونسل کے صدر (جو قاضی القضاۃ ہوتے ہیں) کے علاوہ ریاض اور مکہ مکرمہ کے کورٹ آف اپیل کے دونوں چیف جج، نیز مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دمام کے شرعی ہائی کورٹوں کے سربراہ اور دیگر قانون دان شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں پورے غور و خوض کے بعد ۶/ ذوالقعدہ ۱۳۹۰ھ کو یہ متفقہ فیصلہ جاری کیا گیا کہ قتل خطا میں دیت کی مقدار ۲۴ ہزار ریال اور قتل عمد و شبہ عمد میں دیت کی مقدار ۲۷ ہزار ریال ہو گی اور مسلمان عورت کی دیت مسلمان مرد کی دیت کا نصف ہو گی" (حوالہ کے لیے دیکھیے۔ کتاب النظام القضائی الاسلامی۔ تالیف ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالعزیز القاسم، طبع اول ۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳ء قاہرہ)

۱۹۷۳ء میں لیبیا میں جب کرنل قذافی نے فوجی انقلاب برپا کیا تو انقلاب کے ابتدائی ایام میں انقلابی حکومت نے یہ اعلان کیا کہ وہ لیبیا میں اسلامی قوانین کا نفاذ کرے گی۔ چنانچہ ایک مجلس قانون ساز تشکیل دی گئی جس کے سربراہ لیبیا سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ڈاکٹر علی علی منصور تھے۔ اس مجلس کی طرف سے دیت کے بارے میں جو قانون تجویز کیا گیا۔ وہ ابن علیہ اور اصم کی رائے کی بنیاد پر تھا۔ انہوں نے یہ واضح کر دیا تھا کہ ہماری یہ رائے ابن علیہ اور اصم کے قول پر مبنی ہے۔ لیبیا کے قانون سازوں نے احادیث و آثار، اجماعِ صحابہ، ائمہ اربعہ اور پوری امت کے تعامل کو چھوڑ کر ابن علیہ اور اصم کی رائے کو کیوں اختیار کیا ہے، اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی سمجھ میں نہیں آسکی کہ لیبیا کے سربراہ مذہب اباضی سے تعلق رکھتے ہیں جو خوارج اور معتزلہ کے مذہب سے قریب تر ہے اور ابن علیہ اور اصم بھی معتزلہ سے تعلق رکھتے ہیں نیز یہ بھی یاد رہے کہ لیبیا کی انقلابی حکومت نے اسلامی قانون کے نفاذ کا جو اعلان کیا تھا وہ آج تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا۔ اور ڈاکٹر علی علی منصور اور ان کے ساتھیوں کے بنائے ہوئے مسوداتِ قانون جوں کے توں پڑے ہیں اور خود ڈاکٹر علی صاحب بھی لیبیا کو چھوڑ کر واپس مصر آ گئے ہیں۔

جہاں تک شیخ ابوزہرہ مصری کی رائے کا تعلق ہے تو شیخ ابوزہرہ ایک طرف خود تسلیم کرتے ہیں کہ ابن قدامہ نے ابن المنذر اور ابن عبدالبر کے حوالے سے عورت کی نصف دیت پر اہل علم کا اجماع بتایا ہے، مگر موصوف اپنی ذاتی پسند کے تحت ابوبکر اصم کے قول کو ترجیح دیتے ہیں چونکہ انہیں اپنے مسلک کی کمزوری کا علم ہے اس لیے آگے چل کر انہیں یہ احساس ہو گیا کہ وہ اپنی شاذ رائے کی وجہ سے جمہور اُمت کے دائرے سے نکل رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بر ملا یہ تسلیم کر لیا کہ "عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف رہی ہے۔ اسی اُصول کے تحت جنین (پیٹ کے بچے) کے قتل پر اُس کی دیت اُس کی ماں کی دیت کا دسواں حصہ (یا پانچ اُونٹ) جو مرد کی دیت کا بیسواں حصہ (پانچ اُونٹ) بنتا ہے، ہوگی۔ (ملاحظہ ہو: العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی از ابوزہرہ ص ۶۱۹ مطبوعہ دار الفکر العربی قاہرہ)۔

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی شام کے نامور عالم دین ہیں۔ موصوف صرف اسلامی علوم پر ہی نہیں بلکہ جدید علوم پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ کئی اعلیٰ پائے کی علمی اور تاریخی کتابوں کے مصنف ہیں۔ "مکانۃ السنۃ فی التشریع الاسلامی" (اسلامی قانون میں سنت کا مرتبہ و مقام)، "من روائع حضارتنا" (اسلامی تہذیب کے درخشاں پہلو) اور "اخلاقنا الاجتماعیۃ" (ہمارا قومی اخلاق) وغیرہ ان کی تصنیفات نے عالمِ عرب و اسلام میں بڑی مقبولیت حاصل کی ہے۔ اسلامی قانون اور جدید قوانین کے اندر انہیں بڑی دسترس حاصل تھی۔ ساٹھ کے عشرے میں ڈاکٹر صاحب دمشق یونیورسٹی کے شعبہ "فقہ اسلامی و ادیانِ عالم" کے ڈین رہے ہیں۔ اسلامی فقہ اور رومن لا پر ان کی کتاب دمشق یونیورسٹی کے نصاب میں شامل رہی ہے۔ ڈاکٹر موصوف ۱۹۵۲ء میں شامی پارلیمنٹ کے ڈپٹی اسپیکر بھی رہے ہیں۔ شام کی آزادی کے بعد جب شام کے اندر ملکی دستور کا مسئلہ اُٹھا تو انہوں نے اسلامی دستور بنانے کا مطالبہ اُٹھایا۔ اور شامی دستور کے اندر اسلامی دفعات شامل کرانے میں کامیاب ہوئے۔ اسلامی ریاست میں عورت کے مرتبہ و مقام کا موضوع اسی شد و مد کے ساتھ شام میں چھڑا، جس طرح آج پاکستان میں چھڑا ہوا ہے، چنانچہ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم نے ۱۹۶۲ء میں دمشق یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں "المراۃ بین الفقہ والقانون" (فقہ اسلامی اور جدید قانون کی نظر میں عورت کی حیثیت) کے موضوع پر ایک طویل لیکچر دیا۔ اس میں مردوں کے علاوہ

عورتوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ لیکچر کے اختتام پر تمام حاضرین نے مقررہ کو غیر معمولی داد و تحسین سے نوازا۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے لیکچر میں "عورت کی دیت" کا موضوع بھی لیا اور اس سلسلہ میں فرمایا:

"عورت اگر کسی خطا کے نتیجے میں قتل ہو جائے یا عورت کے قتل پر قصاص کی شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے قاتل سزائے موت کا مستحق قرار نہ پا رہا ہو تو ایسی صورت میں شریعتِ اسلامی نے مقتولہ عورت کی دیت مقرر کی ہے جو مقتول مرد کی دیت کا نصف ہو گی۔ شریعت کی یہ بات بظاہر نامانوس سی لگتی ہے، کیونکہ اسلام نے انسانیت، اہلیت اور معاشرتی مرتبہ و مقام میں عورت اور مرد کو مساوی قرار دیا ہے۔ دراصل دیت کا موضوع اُن اُصولی چیزوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جن میں اسلام مرد و زن کی مساوات کا علمبردار ہے۔ دیت کا اصل اور گہرا تعلق اس نقصان سے ہے جو کسی مرد یا عورت کے قتل ہو جانے پر وارثوں کو لاحق ہوتا ہے۔ قتل عمد میں قاتل پر قصاص لاگو ہو جاتا ہے، خواہ مقتول مرد ہو یا عورت اور خواہ قاتل مرد ہو یا عورت۔ قصاص میں ہم ایک انسان کا دوسرے انسان سے بدلہ لینا چاہتے ہیں اور انسانیت میں مرد اور عورت دونوں یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ رہا قتل خطا یا قتل شبہ عمد تو یہاں بدلے میں انسانی جان لینے کا سوال نہیں ہے، بلکہ صرف یہ سوال ہے کہ جو ذات قتل ہو گئی ہے اس کے ورثا کو مالی معاوضہ دلایا جائے۔ مالی معاوضہ لگاتے وقت ہمیشہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس حد تک مالی نقصان ہوا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیا ایک مرد کے قتل ہو جانے میں خاندان کو اتنا ہی مالی نقصان پہنچتا ہے جتنا کہ ایک عورت کے قتل پر پہنچ سکتا ہے؟ جن بچوں کا باپ غلطی سے مارا گیا ہے یا جس عورت کا خاوند قتل خطا کی نذر ہو گیا ہے، وہ دراصل اخلاقی اور معنوی سہارے کے ساتھ ساتھ اپنے اس بنیادی مالی سہارے سے محروم ہو گئے ہیں جو ان کا مالی بوجھ اُٹھائے ہوئے تھا۔ اور جن کی معاش کے لیے وہ ہمہ تن کوشاں رہتا تھا، لیکن اگر بچوں کی ماں قتل ہو گئی ہے۔ یا مرد کی بیوی مر گئی ہے تو وہ مادی سہارے سے

نہیں، بلکہ ایک اخلاقی اور روحانی سہارے سے محروم ہوئے ہیں۔ اس لیے مال اس نقصان کا معاوضہ نہیں بن سکتا۔"

"دیت مقتول کی جان کی قیمت نہیں ہے۔ (اور نہ قتلِ خطا کے بدلے میں کوئی جان لینا پیشِ نظر ہے)، بلکہ وہ خاندانی حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس مادّی نقصان کی تلافی کی ایک صورت ہے، جو مقتول کے خاندان کو پہنچ گیا ہے۔ یہ ہے عورت کی نصف دیت کی اصل الاصول اور اس سلسلے میں کوئی بھی شخص اختلاف نہیں کر سکتا۔ خود ہمارے موجودہ قانون میں بھی (جسے انسانوں نے بنایا ہے) مقتول کی دیت کی دو حدیں رکھی گئی ہیں۔ ایک زیادہ سے زیادہ حد اور دوسری کم سے کم حد۔ یہ حدیں صرف اسی بنا پہ رکھی ہیں کہ مقتول کے خاندان کو لاحق ہونے والے نقصان کے تحت مالی معاوضہ مقرر کیا جا سکے۔ انسانوں میں تفاوت ہوتا ہے۔ ایک انسان وہ ہے جو محنت و مشقت کرتا ہے اور قانوناً اپنے خاندان کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو محنت و مشقت نہیں کرتا اور نہ وہ کسی کے نان و نفقہ کا ذمہ ہے، بلکہ وہ خود دوسرے کی طرف سے نان و نفقہ کا محتاج ہوتا ہے۔ کیا ان دونوں قسم کے انسانوں کو مالی معاوضے میں یکساں رکھا جائے گا۔" (المرأۃ بین الفقہ والقانون طبع دوم ص ۳۷، ۳۸)

اِن تصریحات سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سارے عالمِ اسلام میں عورت کی دیت کے متعلق مسلم علماء اور قانون دانوں اور ججوں کی رائے ایک ہی رہی ہے، ماسوا ایک آدھ ایسے ملک کے جہاں اسلام سے انحراف کی رَو چل رہی ہو۔

تفہیم القرآن

جلد دوم

جو کہ ایک عرصے سے ختم ہو چکی تھی۔ اب دوبارہ چھپ
چکی ہے۔ قارئین کرام اپنے آرڈر پیشگی بک کروا سکتے ہیں۔

ادارہ
ترجمان القرآن لمیٹڈ
۵۔اے ذیلدار پارک، اچھرہ
لاہور

عازمین حج کے لئے زاد سفر کا اہتمام

مشاہداتِ حرمین

سید اسعد گیلانی

مقدس مقامات کا تعارف اور تاریخی پس منظر،
ایمان افروز تفصیلات اور حیات آموز تعلیمات،
جذبہ حج کو ابھار کر عروج پر لانے کا اہتمام۔
بیت اللہ شریف کے ۲۲ مقامات اور مدینہ منورہ کے ۲۲ مقامات کا تعارف
مناسک حج کی تمام ضروری تعلیمات و تفصیلات کا خلاصہ اور نچوڑ،
یہ کتاب حاجیوں کے لیے سب سے زیادہ قیمتی

سرمایہ
اثاثہ
تحفہ اور
زاد راہ ہے۔

اس کے بغیر آپ کا سامان سفر نامکمل رہے گا۔

ضخامت : ۲۴۰ صفحات
سائز : ۱۸×۲۲/۸ قیمت : -/۲۴ روپے

ادارہ ترجمان القرآن
دربار مارکیٹ
لاہور